28 فروری تا 5 مارچ 2008ء/20 تا 26 صفر المظفر 1429ھ
www.tanzeem.org

امن وسلامتی کا مسئلہ

آج انسانیت کو جن مسائل کا سامنا ہے ان میں امن وسلامتی کا مسئلہ سرفہرست ہے۔ اس وقت پوری نوع انسانی آتش فشاں کے دہانے پر کھڑی ہے۔ دنیا کے گوشے گوشے میں شر وفساد ہے۔ قریب ہے کہ انسان اپنی ہی جلائی ہوئی آگ میں جل کر خاکستر ہو جائے۔ ہلاکت اور تباہی کے مہیب سائے ہر سو بڑھتے اور پھیلتے جا رہے ہیں۔ وسائل حیات کا بڑا حصہ جو انسان کے لئے بہتر زندگی کا سامان فراہم کرنے کی ضمانت ہوتا، وہ آج دنیا کو جہنم میں تبدیل کرنے پر صرف ہو رہا ہے۔ بظاہر امن کے دعوے کرنے والے بباطن جنگ اور کشت وخون کے نقیب ہیں۔ آج انسان انسان کا دشمن ہے، نفرت، حقارت، تعصّب اور تنگ نظری نے انسانیت کی ردا کو تار تار کر دیا ہے۔ انسان جسے زندگی سے پیار ہونا چاہیے تھا، وہ آج زندگی سے بے زار خود زندگی کا گلہ گھونٹنے کے درپے ہے۔

اس وقت انسانیت ہلاکت و بربادی کے جس گڑھے کے کنارے ہے اس سے نجات نہ بش کے ہاتھ میں ہے اور نہ گورڈن براؤن کے بس کی بات ہے اور نہ ہی کسی اور ذریعے سے ممکن ہے۔ بلکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا اسلام ہی پوری دنیا کو امن وسلامتی سے ہم کنار کر سکتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امن عالم کے قیام کے لئے ایسے اصول عطا کئے ہیں جو حقیقی بھی ہیں اور دیرپا امن کے ضامن بھی۔ ایمان واسلام کا مادہ ہی امن وسلامتی ہے یعنی جو لوگ بھی اسے قبول کریں گے ان کو داخلی امن وسکون بھی ملے گا اور خارجی طور پر بھی وہ امن وسلامتی کے نقیب ہوں گے۔

مزدکی ہو کہ فرنگی ہوس خام میں ہے　　　امن عالم تو فقط دامنِ اسلام میں ہے

اسلام اور عصر حاضر کے مسائل وحل
پروفیسر عبدالماجد

سورۃ الانعام
(آیات:97،98)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾﴾

’’اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے تاکہ جنگلوں اور دریاؤں کے اندھیروں میں اُن سے رستے معلوم کرو۔ عقل والوں کے لئے ہم نے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں۔ اور وہی تو ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا پھر (تمہارے لئے) ایک ٹھیرنے کی جگہ ہے اور ایک سپرد ہونے کی۔ سمجھنے والوں کے لئے ہم نے (اپنی) آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں۔‘‘

وہی ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے کہ تم ان سے راستہ پاؤ۔ اندھیری راتوں میں قافلے چلتے تھے تو ستاروں کی مدد سے سمت متعین کرتے تھے۔ سمندر میں جہاز چلتے تھے تو وہاں بھی ستاروں سے ہی وہ اپنا رخ متعین کرتے تھے۔ الغرض بحر و بر کی تاریکیوں میں تم ان ستاروں سے راستہ پاتے ہو۔ ہم نے تو اپنی آیات کو واضح کر دیا، اُن کی تفصیل بیان کر دی اُن لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں یا علم حاصل کرنا چاہیں۔

اور وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے اٹھایا۔ ظاہر ہے کہ پوری نوعِ انسانی ایک جان سے بنی۔ اس سے مراد آدمؑ بھی ہو سکتے ہیں۔ اور اگر evolution theory میں کوئی حقیقت ہے تو اُس کو بھی trace کریں اور امیبا تک لے جائیں، وہ بھی ایک جان ہے جس نے مختلف ارتقائی مراحل طے کئے۔ ابتدا میں اس میں Sex نہیں تھا۔ پھر ہوتے ہوتے sex ظاہر ہوا۔ ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم نے اپنی کتاب ’’قرآن اور علم جدید‘‘ میں انسان کی تخلیق کے بارے میں بہت عمدہ تحقیق ہے، جس کی مولانا امین احسن اصلاحی نے بھی تصویب کی ہے۔ جن لوگوں کو دلچسپی ہو وہ اس کتاب کا مطالعہ کریں۔

تم کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر تمہارے لئے ایک مستقل ٹھکانہ ہے اور ایک عارضی رہائش گاہ۔ مستقر اور مستودع کے متعلق مفسرین کے تین قول ہیں۔ پہلا یہ کہ مستقر دنیا ہے، جہاں ہم اپنی عمر کے ماہ و سال گزار رہے ہیں، جبکہ مستودع سے مراد بطن مادر ہے، جہاں بچہ مختصر عرصے کے لئے امانتاً رہتا ہے اور پھر اس دنیا میں آتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مستقر آخرت ہے جو مستقل ٹھکانہ ہے اور مستودع قبر ہے جو عارضی ودیعت کرنے کی جگہ ہے۔ یہاں برزخی زمانہ گزار کر انسان کو مستقر میں جانا ہے۔ تیسری رائے یہ ہے کہ مستقر آخرت ہے اور مستودع دنیا ہے، دنیا میں جو وقت ہم گزار رہے ہیں یہ آخرت کے مقابلے میں بہت ہی عارضی ہے۔

ہم نے تو اپنی آیات کو تفصیل کے ساتھ واضح کر دیا ہے ان لوگوں کے لئے جو غور کریں، سمجھیں اور سوچیں۔

فرمان نبویؐ

مقتدیوں کی رعایت

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيْهِمُ السَّقِيْمَ وَالضَّعِيْفَ وَالْكَبِيْرَ وَاِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ لِنَفْسِهٖ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ)) (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جب تم میں سے کوئی لوگوں کا امام بن کر نماز پڑھائے تو چاہیے کہ ہلکی نماز پڑھائے (یعنی زیادہ طول نہ دے) کیونکہ مقتدیوں میں بیمار بھی ہوتے ہیں اور کمزور بھی اور بوڑھے بھی (جن کے لئے طویل نماز باعث زحمت ہو سکتی ہے) اور جب تم میں سے کسی کو بس اپنی نماز اکیلے پڑھنی ہو تو جتنی چاہے لمبی پڑھے۔‘‘

تشریح: بعض صحابہ کرامؓ جو اپنے قبیلہ یا حلقہ کی مسجدوں میں نماز پڑھاتے تھے، عبادت کے ذوق و شوق میں بہت لمبی نماز پڑھتے تھے۔ جس کی وجہ سے بعض بیمار، کمزور، بوڑھے یا تھکے ہارے مقتدیوں کو کبھی کبھی بڑی تکلیف پہنچ جاتی تھی۔ اس غلطی کی اصلاح کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر اس طرح کی ہدایت فرمائی۔ آپؐ کا منشاء اس سے یہ تھا کہ امام کو چاہیے کہ وہ اس بات کا لحاظ رکھے کہ مقتدیوں میں کبھی کوئی بیمار یا کمزور یا بوڑھا بھی ہوتا ہے، اس لئے نماز زیادہ طویل نہ کرے۔ ہاں اکیلے نماز پڑھے تو جتنی چاہے نماز کو طویل کرے۔

ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکستان میں انتخابات

پاکستان میں عام انتخابات کا انعقاد کبھی بھی معمول کی بات نہیں رہی۔ 1947ء میں پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ تیئیس (23) برس تک ملک بھر میں عام انتخابات نہ ہو سکے۔ 1970ء میں ملکی سطح پر پہلے عام انتخابات ہوئے' لیکن غیر جمہوری قوتوں نے نتائج قبول نہ کیے۔ اقتدار کی ہوس اور مفادات کی کھینچ تان نے ملک کو دولخت کر دیا۔ 1977ء میں بچے کھچے پاکستان میں انتخابات ہوئے۔ نتائج پھر تسلیم نہ کیے گئے۔ پانچ ماہ تک سڑکیں اور بازار میدان جنگ کا نقشہ پیش کرتے رہے۔ بالآخر 5 جولائی 1977ء کو وطن عزیز ضیاء الحق کے حوالے کر کے تحریک یوں ختم ہوئی' جیسے یہی اعلیٰ مقصد اور عظیم ہدف تھا جو حاصل کر لیا گیا۔ 1985ء میں پاکستان میں دنیا کے انوکھے اور نرالے انتخابات کرائے گئے جنہیں غیر جماعتی انتخابات کا نام دیا گیا۔ الٹی گنگا بہا دی گئی، بجائے اِس کے کہ جماعتیں اسمبلی کو جنم دیتیں' اسمبلی نے جماعتوں کو جنم دیا۔ پھر 1988ء سے 1999ء تک پاکستان میں انتخابات کا ایسا تانتا بندھا اور ہم نے بغیر ٹکٹ ایسا جمہوری تماشا دکھایا کہ دنیا لوٹ پوٹ ہو گئی۔ 12 اکتوبر 1999ء کو یہ جمہوری تماشا ختم ہوا لیکن آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا کے مصداق ہم روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے ہتھے چڑھ کر ایسے ذلیل و خوار ہوئے کہ گرین پاسپورٹ ذلت اور رسوائی کی علامت بن گیا۔ پھر یہ کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کی آڑ میں ملک میں خونریزی کا ایسا سلسلہ شروع کیا گیا جو آج تک ختم ہونے کو نہیں آ رہا۔ بہرحال ذکر ہو رہا تھا پاکستان میں انتخابات کا' لہٰذا اب ہمیں پالا پڑا ''حقیقی جمہوریت'' سے جس نے پہلے انتظامی سطح پر اسٹیبلشمنٹ کو تہس نہس کیا' بلدیاتی اداروں کو تباہ و برباد کیا' سابقہ حکمرانوں کو اپنے لئے خطرہ سمجھتے ہوئے ملک بدر کیا اور پھر 2002ء میں انتخابات کا ڈھونگ رچا کر نیب زدگان اور ضمیر کے بیوپاریوں کی منڈی لگائی اور اُسے عوامی اسمبلی کا نام دے دیا۔ ندائے خلافت کی تاریخ گواہ ہے کہ ہم بلا تحقیق الزام تراشی سے گریز کرتے ہیں' ہم 2002ء کی اسمبلی پر اتنا بڑا الزام کبھی نہ لگاتے' اگر خود صدر مشرف کے قریبی ساتھی نے جو گھر کے بھیدی تھے 2002ء کے انتخابات اور اسمبلی کے بارے میں یہ انکشاف نہ کیا ہوتا۔

نائن الیون کے بعد صدر مشرف نے دہشت گردی کو ایک کارڈ کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔ صوبہ سرحد میں مجلس عمل کی حکومت قائم کروا کر امریکہ کو یہ تاثر دیا کہ اگر اس کی کرسی مضبوط نہ کی گئی تو اسلام پسند بتدریج سارے ملک پر چھا جائیں گے اور افغانستان میں اس کے سارے منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔ اس نے افغانستان میں دورخی پالیسی اختیار کی یعنی کبھی امریکہ کے خلاف طالبان کی مدد اور کبھی طالبان کو پکڑ کر امریکہ کے حوالے کرتا رہا' تاکہ یہ بھٹی دہکتی رہے اور وہ امریکہ کی ضرورت بنا رہے اور امریکہ اس لیے مطمئن تھا کہ اس پالیسی نے مسلمانوں کو خون میں نہلا دیا تھا۔ افغان فوجی' طالبان اور پاکستانی فوجی سب مسلمان ہیں اور ایک دوسرے کو مار رہے ہیں۔ البتہ امریکہ نے Do more کی رٹ جاری رکھی۔ یہ صرف کہا نہیں جاتا تھا بلکہ آسمانِ امریکہ سے اسلام آباد پر حکم کی صورت میں نازل ہوتا رہا۔ جس کی تعمیل میں سابقہ حکومت کو کئی کھیل کھیلنے پڑے' جس میں لال مسجد اور جامعہ حفصہ کا خونی کھیل بھی شامل ہے۔ لال مسجد کی انتظامیہ کو طے شدہ پروگرام کے تحت یہ تاثر دیا گیا کہ وہ بہت مضبوط ہو چکے ہیں' جونہی وہ کال دیں گے تمام قبائل اور پاکستان کے کونے کونے سے مسلمان اسلام آباد کا گھیراؤ کر لیں گے اور حکومت کے پاس ان کے مطالبات تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہ ہو گا۔ سادہ لوح اور اسلام کے لیے مخلص مسجد کی انتظامیہ اس چال کو نہ سمجھ سکی اور حکومت کی رٹ کو چیلنج کر دیا۔ میڈیا کے ذریعے عالمی سطح پر خوب پروپیگنڈا کروایا گیا کہ اسلامی شدت پسند ایٹمی پاکستان پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ (باقی صفحہ 19 پر)

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 17 — 28 فروری تا 5 مارچ 2008ء — 20 تا 26 صفر المظفر 1429ھ — شمارہ 9

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت

سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی

67-اے علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو لاہور۔ 54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن لاہور۔ 54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......250 روپے
بیرونِ پاکستان

انڈیا------------------(2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)

ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

ذوق وشوق

(پانچواں بند)

تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم نخیل بے رطب!

تازہ میرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ! عقل تمام بو لہب!

گاہ بحیلہ می برد، گاہ بزور می کشد
عشق کی ابتدا عجب! عشق کی انتہا عجب!

عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
وصل میں مرگِ آرزو! ہجر میں لذت طلب!

عین وصال میں مجھے حوصلۂ نظر نہ تھا
گرچہ بہانہ جُو رہی میری نگاہ بے ادب!

گرمیٔ آرزو فراق! شورش ہائے و ہُو فراق!
موج کی جستجو فراق! قطرہ کی آبرو فراق!

نظم "ذوق وشوق" کے آخری بند کے یہ چھ اشعار بھی موضوعی اعتبار سے پچھلے بند کا تسلسل ہیں۔ یہ بند عملاً زیرِ تشریح نظم کا خوبصورت اختتامیہ ہے، جس میں اقبال اپنی فکر اور کمال فن کے ساتھ انتہائی بلندی پر نظر آتے ہیں اور قدرے خود احتسابی کے ساتھ اپنے تازہ شعور و ادراک کی نشان دہی بھی کرتے ہیں۔ وہ بدستور اللہ تعالیٰ سے یوں مخاطبت کرتے ہیں:

1۔ میں جانتا ہوں کہ میرا ماضی اور میرا عمل تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ جہاں تک میرے کردار کا تعلق ہے، میں تو اِس حقیقت سے بھی بے خبر رہا کہ علم ایک بے ثمر درخت کی مانند ہے، اور میں تھا کہ کم و بیش ساری عمر ہی حصولِ علم میں گزار دی۔ گویا ایک ایسے سایے کے پیچھے دوڑتا رہا جس میں عشق کا فقدان تھا۔ (نخیلِ بے رطب کا مطلب ہے، کھجور کا وہ درخت جو پھل نہ دے)

2۔ پہلے مصرع میں عقل سے وہ عقل مُراد ہے جسے نقل یعنی شریعت سے کوئی رابطہ یا سروکار نہ ہو۔ اسی لیے اقبال نے یہ مشورہ دیا ہے کہ عشق سراسر مصطفیٰ ہے، یعنی عشقِ رسول ﷺ کی بدولت انسان کے اندر صفاتِ رسول ﷺ کا رنگ پیدا ہو سکتا ہے۔ اتباعِ رسول ﷺ اگر کامل ہو تو اتباع کرنے والا خود ایک صالح انسان بن جاتا ہے۔ اس حقیقت کو اقبال نے یُوں بیان کیا ہے:

بمصطفیٰؐ برساں خویش، کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

3۔ اے باری تعالیٰ! اب مجھ پر یہ راز آشکار ہو چکا ہے کہ عشق کی ابتدا اور اُس کی انتہا دونوں عجیب و غریب ہیں۔ کبھی تو یہ ایسی تدبیروں سے کام لیتا ہے جو فرد کو منزلِ مُراد تک پہنچانے میں مدد دیتی ہے اور کبھی بزورِ قوت اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کراتا ہے۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، مجھے موخر الذکر صورتِ حال سے واسطہ پڑا۔ یوں عشق نے مجھے عقل کے دام سے چھڑا کر ایک مثبت کیفیت سے آشنا کر دیا، ورنہ میرے مشاغل تو قطعی اس کے برعکس تھے۔

اِس شعر کی تشریح تصوف کی اصطلاح میں کی جائے تو "حیلہ" سے مُراد سلوک ہے اور "زور" سے مُراد جذب ہے۔ قربِ خداوندی کے حصول کے دو طریقے ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ خود اُدھر سے کشش ہو، اسے جذب کہتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مُرشد رہنمائی کرے، اسے سلوک کہتے ہیں۔ اقبال نے دوسرے مصرع میں یہ کہا ہے کہ عشق کی ابتدا اور انتہا دونوں فہم سے بالاتر ہیں۔ ابتدا تو عقل سے ماورا ہے کہ بعض آدمیوں کو اللہ تک پہنچنے کے لیے برسوں کوشش کرنا پڑتی ہے اور بعض ایسے خوش نصیب ہوتے ہیں کہ اللہ خود انہیں اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اور انتہا اس لیے عقل و فہم سے ماورا ہے کہ جب بندہ، واصل ہو جاتا ہے تو اُس کی شخصیت میں فوق العادت خواص پیدا ہو جاتے ہیں، یعنی وہ زمان و مکان کی قید سے بالاتر ہو جاتا ہے۔

4۔ عشق نے یہ بھید بھی آشکارا کر دیا کہ اس عمل میں ہجر و فراق کو وصل پر فوقیت حاصل ہے۔ وصل میں تو انسان اپنی خواہش اور آرزو کی تکمیل سے آسودہ ہو جاتا ہے، لیکن ہجر میں محبوب کی طلب اور اس سے پیدا ہونے والی تڑپ برقرار رہتی ہے، اور یہی تڑپ عاشق کے لیے زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ بن جاتی ہے۔

5۔ یہ میری بدبختی ہی تو ہے کہ جب محبوب کے وصل کا مرحلہ آیا تو مجھے اُس کی جانب ایک نگاہ ڈالنے کی ہمت نہ ہوئی، حالانکہ میری شوخ نگاہیں عرصے سے دیدارِ محبوب کی متلاشی تھیں، یوں وصل کی خواہش اور خود وقتِ وصال ادھورا رہا۔

6۔ عشق میں ہجر و فراق کی کیفیت ہی سب سے اہم چیز ہے۔ آرزو اور خواہش اسی کیفیت میں برقرار رہتی ہیں اور تمام نالہ و فریاد بھی اسی کے دم سے زندہ ہیں۔ اس کی مثال سمندر میں موج کی سی ہے جو اس سے علیحدگی کے لیے مضطرب اور بے قرار رہتی ہے۔ اسی کے سبب سمندر میں تلاطم پیدا ہوتا ہے۔ ایک قطرۂ آب ہی کو لیجیے جو پانی میں مل کر اپنی ہستی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اس کی آبرو تو اُسی لمحے تک قائم رہتی ہے جب تک وہ سمندر سے علیحدہ رہ کر اپنے وجود کو برقرار رکھتا ہے۔ مُراد یہ کہ اپنی انفرادیت برقرار رکھ کر فرد اپنی شناخت کرا سکتا ہے، اور یہی انفرادیت اُس کو منزل کا پتا دیتی ہے۔

احسان، تقویٰ اور حسن اخلاق کی اہمیت

احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، لاہور میں بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے 22 فروری 2008ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[احادیث زیر درس اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات! آج آپ کے ساتھ میں نے دو احادیث پیش کی ہیں۔ پہلی حدیث ہے:

عَنْ اَبِیْ یَعْلٰی شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: ((اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ، فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَۃَ، وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذِّبْحَۃَ، وَلْیُحِدَّ اَحَدُکُمْ شَفْرَتَہٗ، وَلْیُرِحْ ذَبِیْحَتَہٗ))

سیدنا ابو یعلیٰ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، پس جب تم قتل کرو، تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب ذبح کرو تو بھی اچھے طریقے سے ذبح کرو۔ تمہیں چاہیے کہ اپنی چھری کو خوب تیز کر لو اور ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ۔"

احسان کا جو مفہوم بالعموم ہمارے ذہنوں میں پایا جاتا ہے، وہ کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ اور بھلائی کرنا ہے۔ لیکن بطور اصطلاح اس کے معانی ہیں: کسی کام کو انتہائی خوبصورت انداز سے اور نہایت عمدگی کے ساتھ انجام دینا۔ یہاں نبی کریم ﷺ نے یہی بات بیان فرمائی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کے معاملے میں احسان کو واجب کر دیا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ جو بھی کام کرے، بہتر سے بہتر انداز میں کرے، خوبصورت اور عمدہ طریقے سے کرے۔ اگر ایک شخص حلال روزی کے لئے معاشی جدوجہد کرتا ہے، تو یہ کام بھی احسان کا متقاضی ہے۔ اس میں بھی اچھے سے اچھے انداز میں محنت و مشقت اور دوڑ دھوپ کی جانی چاہیے۔ اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ مطلوب ہے۔ کسب حلال عبادت ہے اور اس پر ثواب ملے گا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "سچا اور امانت دار تاجر (روز قیامت) انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔"

احسان کی حقیقت کو حدیث جبرئیل کی مدد سے سمجھا جا سکتا ہے۔ وہاں اسلام کے حوالے سے تین اصطلاحات اور درجات آئے ہیں۔ پہلا اسلام، دوسرا ایمان، اور تیسرا اور بلند ترین درجہ احسان ہے۔ اسلام میں ایمان زبانی اقرار ہوتا ہے۔ ایمان میں، وہ گہرا ہو کر دل میں اُتر جاتا ہے۔ اور احسان میں اس قدر گہرا ہو جاتا ہے، جس کا بالعموم تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اِس کیفیت میں گویا انسان اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوتا ہے، یا کم از کم یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ جب حضوری کی اِس کیفیت کے ساتھ نماز ادا کی جائے، تو اُس میں حسن اور خوبصورتی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ نماز کا احسان ہے۔ اگر ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے، مگر اس کی یہ کیفیت نہیں، بلکہ اس کا دل دنیا کے دھندوں میں لگا ہوا ہے، کاروبار کا خیال ہے، کوئی اور فکر لاحق ہے، تو اگرچہ فقہی حوالے سے اس کی نماز ہو جائے گی کہ اس نے قیام و رکوع اور سجود کئے ہیں، تاہم اُس کی نماز اور احسان کی کیفیت والی نماز میں زمین و آسمان کا فرق ہو جائے گا۔

اس حدیث کے مطابق ہر ہر معاملے میں انسان سے احسان کی کیفیت مطلوب ہے۔ یہاں تک کہ

((فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَۃَ))

"جب تم (کسی کو) قتل کرو، تو عمدگی کے ساتھ قتل کرو۔"

فرض کریں، کسی شخص نے ناحق کسی کی جان لی ہے اور اب اُسے قصاص میں قتل کرنا ہے، یا کوئی شخص مرتد ہو گیا ہے اور اُسے قتل کیا جا رہا ہے، تو ضروری ہے کہ اِس معاملے میں اچھا انداز اختیار کیا جائے۔ چاہیے کہ جلاد ایک ہی وار میں قاتل کی گردن اُڑا دے، نہ کہ بار بار اذیت دیتے ہوئے اُسے قتل کیا جائے۔ جگر مراد آبادی کا بہت خوبصورت شعر ہے۔

میں چوٹ بھی کھاتا جاتا ہوں، قاتل سے بھی کہتا جاتا ہوں
توہین ہے دست و بازو کی وار کہ جو بھرپور نہ ہو

آگے فرمایا:

((وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذِّبْحَۃَ))

یعنی "جب تم (کوئی جانور) ذبح کرنے لگو تو اُسے بھی بہت اچھے طریقے سے ذبح کرو۔"

اچھے طریقے سے ذبح کی وضاحت اگلے الفاظ میں فرما دی کہ ((وَلْیُحِدَّ اَحَدُکُمْ شَفْرَتَہٗ، وَلْیُرِحْ ذَبِیْحَتَہٗ)) ذبح کرنے والے کو چاہیے کہ اپنی چھری کو تیز کر لے، اور ذبیحہ کو راحت پہنچائے۔ ایسا نہ ہو کہ چھری کھنڈی ہو اور جانور کو کاٹ ہی نہ رہی ہو، اور آپ جانور کے ساتھ دھینگا مشتی کر کے اُسے تکلیف پہنچا رہے ہوں۔ آخر جانور کی بھی تو جان ہے۔ اُس کے احساسات اور حسیات ہیں۔ اس کو بے جا تکلیف پہنچانے سے احتراز ضروری ہے۔ یہی ذبیحہ کے ساتھ احسان ہے۔

اگر ہم اِس حدیث پر غور کریں، تو معلوم ہوگا کہ یہ ہمیں تہذیب نفس کی تعلیم دیتی ہے۔ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ انسان میں یہ وصف ہو کہ اپنے ہر کام کو بہتر اور عمدہ طریق سے کرے، خوبصورت سے خوبصورت انداز میں انجام دے۔ یہ سوچ صحیح نہیں کہ کام کسی نہ کسی طریقے سے ہو جائے اور آدمی کو اُس کے حسن و قبح سے کوئی غرض نہ ہو۔

☆☆☆☆☆

اب آیئے، دوسری حدیث کی طرف!

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ بْنِ جُنْدُبِ بْنِ جُنَادَۃَ وَاَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہما عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: ((اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُمَا کُنْتَ، وَاَتْبِعِ السَّیِّئَۃَ الْحَسَنَۃَ تَمْحُھَا ، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ)) (رواہ الترمذی)

سیدنا ابوذر جندب بن جنادہ اور ابو عبدالرحمٰن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم جہاں کہیں بھی ہو، اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کیا کرو۔ اور گناہ کے بعد نیکی کر لیا کرو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹا ڈالے گی۔ اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آیا کرو۔"

پہلی بات جو اِس حدیث میں فرمائی گئی، وہ تقویٰ ہے فرمایا:

((اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُمَا کُنْتَ))

یعنی "تم جہاں کہیں بھی ہو، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔"

تمام نیکیوں اور بھلائیوں کی بنیاد اللہ کا تقویٰ ہے۔ انسان خلوت میں ہو یا جلوت میں، تنہائی کے عالم میں ہو،

جہاں اُسے اللہ کے سوا کوئی دیکھ نہ رہا ہو، یا علی الاعلان کوئی کام کر رہا ہو، مسجد میں ہو یا گھر اور بازار میں، ہر حال میں اور ہر جگہ اللہ کی ناراضی کا احساس اُسے دامن گیر ہونا چاہیے۔ یہی چیز اُسے راستی، سچائی اور عدل وانصاف پر قائم رکھے گی، اور برائیوں، منکرات، ناانصافی، حق تلفی اور ہر قسم کے ظلم وزیادتی سے بچائے گی۔

دوسری چیز جس کی تعلیم دی گئی ہے وہ ہے:

((وَاَتْبِعِ السَّیِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُھَا))

”اور گناہ کے بعد نیکی کر لیا کرو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹا ڈالے گی۔“

انسان سے گناہ اور غلطی کا صدور کوئی عجیب بات نہیں۔ انسان خطا کا پتلا ہے۔ اُس سے کوئی غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ آدمی اُس پر نادم اور پشیمان ہو، اللہ کی جناب میں سچی توبہ کرے، اللہ اُسے معاف فرما دیتا ہے۔ اگر آدمی سے گناہ ہو جائے تو اُس کے بعد جیسے ہی احساس ہو جائے، تو آدمی کوئی نیکی کر لیا کرے، صدقہ خیرات کر دے، نوافل پڑھے، دین کی خدمت میں اور زیادہ وقت دے، اِس سے اُس کی وہ خرابی محو ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اُسے نیکیوں کی توفیق دے دیں گے۔

سورۃ التوبہ میں غزوۂ تبوک کے ذیل میں تین طرح کے لوگوں کا تذکرہ آیا ہے۔ اِس میں ہمارے لئے بڑا سبق ہے۔ ایک تو سابقون الاولون تھے یعنی ایمان میں سبق لے جانے والے۔ اِن کے بارے میں فرمایا گیا کہ ”جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی۔ اور جنہوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی۔ اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں اور اس نے اُن کے لئے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (اور) ہمیشہ اُن میں رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔“ (آیت:100)

دوسرے وہ لوگ تھے، جو منافق تھے۔ اسلام کا دعویٰ کرتے تھے مگر حقیقت کے اعتبار سے کفر میں داخل ہو چکے تھے۔ یہ ازراہ نفاق اور شک جنگ میں شریک نہ ہوئے۔ اُن کی اصلیت کو آیت 101 میں یوں واضح کیا گیا: ”اور تمہارے گرد و نواح کے بعض دیہاتی منافق ہیں۔ اور بعض مدینے والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ تم انہیں نہیں جانتے۔ ہم جانتے ہیں۔ ہم اُن کو دوہرا عذاب دیں گے۔ پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔“

تیسری قسم ان لوگوں کی تھی جو نہ تو السابقون الاولون میں سے تھے اور نہ ہی مرض نفاق کا شکار تھے، بلکہ ان کے درمیان تھے۔ یہ مومنین تھے مگر محض سستی کی بدولت غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کر سکے۔ اِن میں سے تین افراد کعب بن مالک، ہلال بن امیہ، اور مرارہ بن الربیع نے اپنی تقصیر کا علانیہ اعتراف کیا۔ اُن کا فیصلہ نادیا۔ کچھ مدت کے لئے ملتوی رکھا گیا۔ اُن کا معاشرتی بائیکاٹ کیا گیا۔ پچاس دن گزرنے کے بعد اُن کی توبہ قبول ہوئی۔ ان تین کے علاوہ باقی وہ لوگ تھے جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کی واپسی کی اطلاع پا کر اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک نبی اکرم ﷺ ہمیں معاف کر کے اپنے ہاتھ سے نہ کھولیں گے، اسی طرح بندھے کھڑے رہیں گے۔ جب آپؐ واپس تشریف لائے اور اِن کا یہ حال دیکھا تو فرمایا: واللہ جب تک اللہ ان کے کھولنے کا حکم نہ دے میں ان کو نہیں کھول سکتا۔ چنانچہ اِن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ”اور کچھ اور لوگ ہیں کہ اپنے گناہوں کا (صاف) اقرار کرتے ہیں۔ انہوں نے اچھے اور بُرے عملوں کو ملا جلا دیا تھا۔ قریب ہے کہ اللہ اُن پر مہربانی سے توجہ فرمائے۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“ (آیت:102)

چنانچہ آپؐ نے اِن کو کھول دیا اور قبول توبہ کی بشارت دی۔ اب یہ لوگ بتکمیل توبہ کے طور پر کچھ مال لے کر حاضر ہوئے کہ خدا کی راہ میں کچھ تصدق کریں، تو اِس پر اللہ نے فرمایا: ”اے نبیؐ، تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے لو کہ اس سے تم اُن کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو اور اُن کے حق میں دعائے خیر کرو کہ تمہاری دعا اُن کے لئے موجب تسکین ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔“ (آیت:103)

بہر حال توبہ گناہ کو دھو ڈالتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ تمام انسان خطا کار ہیں اور سب سے اچھے خطا کار وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہے کہ اُس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔ سورۃ الفرقان میں یہاں تک فرمایا گیا کہ ”مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا۔ اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔“ (آیت:70)

حدیث میں تیسری بات جو بیان فرمائی گئی ہے، وہ ہے حسن اخلاق

((وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ))

”اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آیا کرو۔“

ہمارے دین میں اخلاق حسنہ کی بڑی اہمیت ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا کہ تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ سے پوچھا: سب سے افضل ایمان کون سا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے کہا: اللہ اور اُس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: خلق حسن (یعنی سب سے اچھا ایمان وہ ہے جس کے ساتھ اخلاق حسنہ ہوں)۔ اخلاق حسنہ کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اگر آپ کسی آدمی کو خندہ پیشانی سے ملتے ہیں، تو یہ بھی اچھے اخلاق کا مظہر ہے، اور اِسے صدقہ قرار دیا گیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے کوئی شخص مصافحہ کرتا، تو آپ اُس وقت تک اپنا ہاتھ نہ چھڑاتے تھے، جب تک کہ وہ خود نہ چھوڑ دے۔ ہاتھ کھینچ لینا بھی آپؐ مروت اور شرافت کے منافی سمجھتے تھے۔ اِسی طرح اگر کوئی شخص آپؐ سے ہم کلام ہوتا، آپؐ سے گفتگو کرتا، تو آپ اپنا رُخ اُس کی جانب کر لیتے اور پوری توجہ اور دھیان سے اُس کی بات سنتے۔ اِس لئے کہ کسی کی بات سنتے ہوئے بے توجہی برتنا یا دوسری جانب رخ کرنا بھی تکبر کی علامت ہے

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی کے معاملات میں ”احسان“ کی روش اپنانے، تقویٰ اور حسن اخلاق کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین [مرتب: محبوب الحق عاجز]

پریس ریلیز 22 فروری 2008ء

امریکہ کو آئندہ حکومت سازی کے معاملہ میں مداخلت کا کوئی حق نہیں۔ عوامی نمائندے کسی دباؤ میں آئے بغیر پاکستان کے عوام اور مستقبل کو سامنے رکھ کر آئندہ لائحہ عمل اختیار کریں

حافظ عاکف سعید

عوام نے انتخابی نتائج کے ذریعے صدر مشرف کی پالیسیوں کو مسترد کر دیا ہے۔ لہٰذا صدر مشرف کو اخلاقی طور پر مستعفی ہو جانا چاہیے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے اپنے ایک بیان میں کہی۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ کو آئندہ حکومت سازی کے معاملہ میں مداخلت کا کوئی حق نہیں۔ عوامی نمائندوں کو کسی دباؤ میں آئے بغیر پاکستان کے عوام اور مستقبل کو سامنے رکھ کر آئندہ لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ نئی حکومت کو درپیش چیلنجز کا مقابلہ کرنے اور ملکی سلامتی و استحکام کے لیے نظریۂ پاکستان کو عملی شکل دینا ہوگی' کیونکہ سابقہ نام نہاد روشن خیال اور اعتدال پسند پالیسی نے عوام اور پاکستان کو مسائل کے سوا کچھ نہیں دیا۔ (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت)

انتخابی نتائج

دینی جماعتوں کے لئے لمحہ فکریہ

محمد نذیر یٰسین

بد قسمتی سے ہمارے مذہبی طبقات کا رویہ و طرزِ عمل ہمارے دشمنوں کے عزائم کی سدِراہ بننے کی بجائے ان کے لئے ممد و معاون ثابت ہوا جس کا نتیجہ ہم سیکولر قوتوں کی بھرپور کامیابی کی صورت میں دیکھ رہے ہیں اور روشن خیالی کی پرچارک قوتوں کو یہ پراپیگنڈا کرنے کا موقع مل رہا ہے کہ پاکستانی قوم نے مذہبی انتہا پسندوں کو مسترد کر کے اپنی روشن خیالی کا ثبوت فراہم کر دیا ہے۔ ہمیں یہ حقیقت نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ نواز گروپ میثاق جمہوریت پر دستخط کر چکی ہیں جس میں اسلام اور نفاذ اسلام کا ذکر تک نہیں کیا گیا، حالانکہ 1973ء کے آئین کا تقاضا ہے کہ پاکستان میں بتدریج اسلامی قوانین کا نفاذ کیا جائے۔ انتخابات میں اکثریتی پارٹی کا مقام حاصل ہو جانے کے بعد پیپلز پارٹی کی بھرپور کوشش ہو گی کہ اب دونوں جماعتوں کے مابین تعاون و مفاہمت اسی میثاق جمہوریت کی بنا پر ہو کہ اسی صورت میں ہی پیپلز پارٹی کے روشن خیال امیج کو برقرار رکھا جا سکتا ہے اور اہل مغرب کے ایجنڈا کو آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف نواز گروپ کو اسلام پسند دائیں بازو کی قوتوں کی حمایت حاصل ہے۔ ماضی میں سیکولر جمہوریت کے فروغ کی بجائے نواز شریف نے اسلامی جمہوری اتحاد کے ذریعے ملک میں مذہبی جذبات کو انگیخت کیا اور اپنی دوسری وزارت عظمیٰ کے دوران ایک شریعت بل بھی اسمبلی سے پاس کروانے کی کوشش کی، لہٰذا وہ اہل مغرب کے لئے زیادہ قابل بھروسہ قرار نہیں پاتے۔ امریکیوں کی بھرپور کوشش ہے کہ اول تو پیپلز پارٹی اور نواز لیگ کا اتحاد قائم ہی نہ ہو اور اگر اس کا قیام ناگزیر ہی ہو تو وہ صرف میثاق جمہوریت کی بنیاد پر استوار ہو۔ جس طرح پیپلز پارٹی کی قوت کا سرچشمہ ہمارے ملک کی غریب و پسماندہ عوام ہے اسی طرح نواز گروپ کی قوت کا سرچشمہ اسلام اور اہل اسلام ہیں جنہوں نے اُسے موجودہ انتخابات میں بھی ایک اسلام پسند جماعت باور کرتے ہوئے اور یا پھر تین برائیوں میں سے سب سے چھوٹی برائی سمجھتے ہوئے ووٹ دیا ہے۔ اہل مغرب کی بھرپور خواہش ہے کہ پیپلز پارٹی اُن کے روشن خیالی کے ایجنڈا کی تکمیل کے لئے دیگر روشن خیال قوتوں یعنی ق لیگ، ایم کیو ایم اور اے این پی کا تعاون حاصل کرتے ہوئے مناسب مطلوبہ قانون سازی بھی کریں یہ وہ مرحلہ ہو گا جب ہماری قوم کو اسلام یا سیکولرازم میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کرنا ہو گا۔ اور قوم کی اُس دو قطبی تقسیم (Polarization) کا مکمل ظہور ہو جائے گا۔ جس کی پیشگوئی ہمارے ملک کے نامور دینی اسکالر ڈاکٹر اسرار احمد نے 2001ء میں افغان امریکا جنگ کے موقع پر اخبارات میں شائع ہونے والے اپنے مضامین میں کی تھی۔

قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی قوم کی واضح دو قطبی تقسیم اس قوم کے لئے ہلاکت و بربادی کا پیغام لے کر آتی ہے اور اس قوم پر عذاب الٰہی کا فیصلہ لاگو ہو جاتا ہے۔ اگرچہ یہ پولارائزیشن سابقہ اسمبلی میں حدود قوانین کے بل کی منظوری کے موقع پر بھی ظاہر ہو چکی ہے، تاہم اسے ایک شک کا فائدہ بھی حاصل تھا اور وہ شک یہ تھا کہ اس قانون سازی کو حالات کے جبر کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا تھا۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ کی سنت یہ بھی ہے کہ وہ عذاب اکبر سے پہلے اقوام و افراد کو اصلاح کا موقع فراہم کرتا ہے اور ہماری قوم کو اصلاح کا جو زریں موقع ان انتخابات کے نتائج سے حاصل ہوا ہے، وہ شاید آئندہ کبھی حاصل نہ ہو سکے۔

پاکستان کی دو بڑی جماعتیں ان انتخابات میں بھرپور کامیابی کے بعد مکمل طور پر اس پوزیشن میں ہیں کہ ماضی کی تلخیوں کو فراموش کرتے ہوئے اور اپنی غلطیوں کی تلافی کرتے ہوئے ایک مضبوط و مستحکم پاکستان کے لئے باہم مل کر اپنا کردار ادا کریں۔ استحکام پاکستان کا واحد دیرپا حل یہاں نفاذ اسلام کے اقدامات پر منحصر ہے اور اگر ہم نے اسلام کو پس پشت ڈال کر سیکولرازم کی طرف قدم بڑھائے تو اس کا نتیجہ ملک میں انتشار اور خانہ جنگی کی صورت میں بھی برآمد ہو سکتا ہے جو از روئے قرآن عذاب الٰہی کی ہی ایک صورت ہے جبکہ از روئے احادیث نبویہ ﷺ عذاب الٰہی کی دیگر صورتوں خسف، مسخ اور سرخ آندھیوں کا امکان بھی موجود ہے۔

مستقبل کی یہ ممکنہ صورتحال ہمارے ملک کی دینی قوتوں کے لئے گہرے غور و فکر کی متقاضی ہے۔ فرض کیجئے، پیپلز پارٹی نے نواز لیگ کے ساتھ یا اس کے بغیر سیکولرازم کا راستہ ہی اختیار کر لیا تو دینی جماعتوں کا لائحہ عمل کیا ہو گا؟ کیا اپنے امیج کو حد درجہ مسخ اور مجروح کر لینے کے بعد اب ان کے اندر اتنی طاقت بچی ہے کہ وہ "بچی جمہوریت" کے نام سے بے خدا مغربی جمہوریت اور دجالی تہذیب کے مغربی ایجنڈا کی راہ میں ایک ناقابل تسخیر دیوار کھڑی کر سکیں؟

ہمارے پاس مدارس، مساجد، خانقاہوں اور دیگر تنظیموں کی صورت میں اتنی طاقت موجود ہے کہ ہم ملک کو سیکولر ازم کی طرف جانے سے روک سکیں۔ مگر ضروری ہے کہ ہم متحد ہو کر حکومت کے خلاف پُرامن و منظم مظاہرے کریں اور عوام کے اندر ایسا دینی جذبہ پیدا کر دیں کہ ان کی بڑی تعداد بھی ہمارے ساتھ شریک احتجاج ہو جائے اور اس طرح ہم حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر ڈالیں۔ بلاشبہ یہ ایک بہترین پالیسی و حکمت عملی ہو گی جو آپ اختیار کر سکیں گے۔

اگر آپ نفاذ اسلام کے لئے مخلص ہیں تو آپ کو موجودہ دفاعی حکمت عملی ترک کر کے اقدامی حکمت عملی کو اختیار کرنا ہو گا۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آپ برسر اقتدار قوتوں کے ساتھ تصادم اور محاذ آرائی مول لے لیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ موجودہ انتخابی سیاست میں فریق بننے کی بجائے نفاذ اسلام کو اپنی ترجیح اول قرار دے کر وہی طریقہ اختیار کریں جو ہمیں تاریخ میں مجددین، مصلحین اور آئمہ کرام کی زندگیوں میں نظر آتا ہے۔ کیا ہمارے یہ اسلاف بھی حصول اقتدار کی دوڑ میں شریک ہوئے؟ بالکل نہیں بلکہ انہوں نے ہمیشہ ایک ہی طرزِ عمل اختیار کیا اور وہ تھا عوام اور وقت کے حکمرانوں کی اصلاح۔ اس اصلاح کے لئے انہوں نے بالعموم تصادم کا نہیں بلکہ نصیحت کا راستہ اختیار کیا اور حالات کے مطابق جابر حکمرانوں کے سامنے کلمۂ حق ادا کرنے میں کبھی کوئی باک محسوس نہ کی۔ لیکن اس کے برعکس ہمارے ملک کی دینی قوتوں کا طرزِ عمل کیا ہے؟ وہ حکمرانوں کی خیر خواہی سے زیادہ ایشوز کی سیاست کرتے ہیں۔ کتنی ستم ظریفی ہے کہ متحدہ مجلس عمل نے پانچ سال تک قومی اسمبلی میں شریعت بل پیش کرنے سے بھی احتراز کیا، کہیں انہیں یہ اندیشہ تو نہیں تھا کہ اس کے ردِعمل میں مدارس کی اسناد کو بی اے کی ڈگری کے غیر مساوی قرار دے کر انہیں اسمبلیوں سے ہی باہر نہ کر دیا جائے۔ کیا یہ سب اس مرض وھن کی علامات نہیں ہیں جس کا احادیث میں ذکر کیا گیا ہے؟ اگر دین کے معلم، داعی اور محافظ ہونے کے دعویدار ہی دین کے قیام و نفاذ کے لئے مصلحتوں کو تج کر راہ عزیمت اختیار نہ کریں تو پھر اور کون کرے گا؟

پس موجودہ حالات میں دینی قوتوں کے بہترین لائحہ عمل صرف یہ ہو سکتا ہے کہ وہ متحد ہو کر نفاذ اسلام کا عہد مصمم کریں اور اس کے لیے درج ذیل ناگزیر و فوری اقدامات کریں:

(1) اپنی سابقہ غلطیوں اور کوتاہیوں کا نہ (باقی صفحہ نمبر 18 پر)

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا!

ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ
بانی تنظیم اسلامی

جیسے ایک میان میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں یا ایک کچھار میں دو شیر نہیں رہ سکتے بعینہ ہماری سیاست میں صدر اور وزیر اعظم اختیارات میں عدم توازن کی بناء پر اکٹھے نہیں چل سکتے۔ 1954ء میں جب وزیر اعظم محمد علی بوگرا نے گورنر جنرل غلام محمد کے اختیارات کو محدود کرنے کی ''جسارت'' کی تو غلام محمد نے اسمبلی توڑ کر انہیں چلتا کیا۔ 1971ء میں وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے جب زمام اقتدار سنبھالی تو انہوں نے تمام اختیارات کو اپنی ذات میں مجتمع کر کے صدر فضل الٰہی کو بے دست و پا کر دیا۔ ان کی حیثیت ایوان صدر میں ایک شو پیس سے زیادہ نہ تھی یہی وجہ ہے کہ اُس دور میں لوگوں نے وال چاکنگ کی کہ ''صدر فضل الٰہی کو رہا کرو۔'' 1985ء کے غیر جماعتی انتخابات کے نتیجے میں قائم ہونے والی اسمبلی کے قائد محمد خان جونیجو کی حکومت کو صدر ضیاء الحق نے آئین کے آرٹیکل 58 کی شق 2 بی کے ذریعے گھر بھجوا دیا۔ جونیجو کا قصور یہ تھا کہ اُن کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ وہ ''واقعی اور حقیقی'' وزیر اعظم ہیں اور وہ صدر جنرل ضیاء الحق کو ان کی حدوں میں پابند کر دیں گے۔ اس کے بعد صدر غلام اسحاق جمہوری حکومتوں کے دشمن کے طور پر سامنے آئے اور انہوں نے جنرل ضیاء الحق کی تقلید کرتے ہوئے وزیر اعظم بے نظیر بھٹو اور نواز شریف کی حکومتوں کو ''فتح'' کیا اور اس اختیاراتی لڑائی میں ان کا ہتھیار بھی آرٹیکل 58،2 بی تھا۔

غلام اسحاق خان کے بارے میں خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ وہ بیورو کریٹک ذہن کے مالک تھے، لہٰذا وہ جمہوری تقاضوں سے نابلد تھے۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ اسمبلیاں ان کے ہاتھوں میں کھلونا بنی رہیں۔ مگر ان کے بعد فاروق لغاری صدر بنے، ان کا پس منظر ایک سیاسی کارکن کا تھا۔ مگر منصب صدارت سنبھالتے ہی ان کی جنگ اپنی ہی پارٹی کی چیئر پرسن بے نظیر بھٹو سے شروع ہو گئی اور نتیجہ وہی نکلا کہ اسمبلی ٹوٹ گئی اور بے نظیر بھٹو وزارت عظمیٰ کے منصب سے ہٹا دی گئیں۔ اس مرتبہ بھی مسئلہ وہی تھا یعنی کون با اختیار ہے؟ بعد میں نواز شریف بھاری مینڈیٹ کے ساتھ وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز ہوئے۔ لہٰذا نواز شریف نے بھی بھٹو بننے کی کوشش کی۔ پہلے انہوں نے عدلیہ کو قابو کرنے کی کوشش کی۔ عدلیہ اور حکومت کی اس کشمکش میں فاروق لغاری نے اُس وقت کے چیف جسٹس سجاد علی شاہ کے خلاف ریفرنس بھیجنے سے انکار کیا تو اب جنگ کا رُخ ایوان صدر کی جانب ہو گیا اور اس مرتبہ فتح وزیر اعظم ہاؤس کو ہوئی اور صدر فاروق لغاری کو ایوان صدر چھوڑنا پڑا۔

اب ایک مرتبہ پھر نئی اسمبلی بننے جا رہی ہے۔ اور سیاسی ''پنڈت'' زائچے بنانے میں مصروف ہیں کہ صدر پرویز انتخابات کے نتیجے میں قائم ہونے والی اسمبلی اور نئے وزیر اعظم کے ساتھ چل سکیں گے، حالانکہ دورۂ یورپ کے دوران بھی انہوں نے متعدد مرتبہ اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ انتخابات کے نتیجے میں قائم ہونے والی حکومت کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہیں۔ کیا واقعتاً ایسا ہوگا؟ اس کے لیے صدر مشرف کے 9 سالہ دور اقتدار کا ایک مختصر جائزہ پیش خدمت ہے۔

> اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ صدر پرویز مشرف نئی حکومت کے ساتھ چل سکیں گے کیونکہ ان کے پاس اسمبلی تحلیل کرنے والی شق کی ننگی تلوار موجود ہے، اور اس سلسلے میں انہیں امریکی آشیر باد بھی حاصل ہے

جنرل مشرف نے جب وزیر اعظم نواز شریف کی حکومت کے خلاف کمانڈو آپریشن کیا تو انہوں نے ''ہم خیالوں'' کا ایک حصار قائم کیا مگر کچھ عرصہ کے بعد ان کے اور ''ہم خیالوں'' کے درمیان اختلافات شروع ہو گئے اور صدر مشرف نے اپنے قریبی ساتھیوں کو جنہوں نے اُنہیں اقتدار میں لانے کے لیے مرکزی رول ادا کیا تھا یکے بعد دیگرے فارغ کر دیا۔ ان کی صدارتی ریفرنڈم مہم کے دو اہم حمایتی منہاج القرآن کے سربراہ علامہ طاہر القادری اور تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان تھے۔ مگر بعد میں دونوں صدر مشرف سے علیحدہ ہو گئے کیونکہ وہ ان کے منتخب حکومت کے گرانے کے عمل کو دنیا کا ''عظیم ترین انقلاب'' سمجھ رہے تھے مگر بعد میں ان دونوں کو حقیقت معلوم ہوئی کہ وہ جسے انقلاب سمجھ رہے تھے وہ ایک سراب ہے۔ لہٰذا ایک نے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر کے اور دوسرے نے قوم سے معافی مانگ کر اپنی غلطیوں کا کفارہ ادا کیا۔

صدر پرویز نے پاکستان میں پہلی مرتبہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کو ''مہذب'' بنانے کے لیے انتخابی امیدواروں کے لیے گریجویشن کی شرط عائد کی۔ مگر اس اسمبلی کو انہوں نے کبھی بھی لائق مشورہ نہیں سمجھا اور اکثر فیصلے اپنی وردی کے بل بوتے پر کیے۔ بعد ازاں اس اسمبلی کو جاہل اور اُجڈ بھی قرار دے دیا اور اس کے کسی سیشن سے خطاب بھی نہیں کیا۔ انہوں نے ہماری سیاسی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ بھی کیا یعنی اپنے منتخب کردہ وزیر اعظم ظفر اللہ جمالی کو آرمی ہاؤس طلب کر کے استعفیٰ لیا۔ پھر چند ماہ کے لیے چوہدری شجاعت حسین کو وزارت عظمیٰ کا مزا چکھایا۔ بعد میں ایک اور ''معاشی کرشمہ ساز'' شوکت عزیز کو وزیر اعظم بنایا گیا۔ ان کا وزیر اعظم بننا بھی منفرد واقعہ ہے کہ ان کی وزارت عظمیٰ کا اعلان پہلے ہوا اور رکن اسمبلی بعد میں منتخب ہوئے۔ صدر مشرف نے ایک اسمبلی سے تین وزرائے اعظم کو اوپر تلے اس لیے منتخب کیا کہ ''گلیاں سنجیاں'' رہیں اور وہ ''مرزا یار'' کی طرح اکیلے پھرتے رہیں۔ انہوں نے ایک منتخب صدر رفیق تارڑ کو بھی منتخب وزیر اعظم کی طرح معزول کیا اور خود صدر پاکستان بن گئے۔ اس کے بعد صدر مملکت نے ایم ایم اے کے ساتھ سترہویں ترمیم کے بل کی حمایت پر وردی اتارنے کا وعدہ کیا مگر مقررہ وقت پر وعدہ بھلا کر وردی کو اپنی کھال قرار دے دیا۔

سپریم کورٹ کے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے سٹیل مل کی نجکاری میں ہونے والی حکومتی بدعنوانیوں پر اس کی نجکاری کو روک دیا تو ان کی یہ جرأت صدر مشرف کو ایک آنکھ نہ بھائی اور اُنہوں نے چیف جسٹس کو ظفر اللہ جمالی اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی طرح آرمی ہاؤس طلب کیا۔ استعفیٰ نہ دینے پر انہیں معزول کر دیا اور کرپشن کے الزامات لگا کر

ان کے خلاف ریفرنس دائر کر دیا۔ ریفرنس کے فیصلے پر حکومت کو بڑی سبکی اُٹھانی پڑی۔ بعد میں چیف جسٹس نے عوامی مفادات کے معاملات میں سوموٹو ایکشن لیے اور اسے حکومتی اختیارات میں دخل سمجھا گیا تو صدر پرویز نے 3 نومبر 2007ء کو ایمرجنسی نافذ کر کے انہیں دوبارہ معزول کیا اور ان کی رہائش گاہ پر نظر بند کر دیا۔ اس مرتبہ پھر مسئلہ وہی تھا یعنی چیف جسٹس ان کے بے پناہ اختیارات کے لیے چیلنج بن رہے تھے۔ اس مسئلہ پر آواز اُٹھانے کے جرم میں بیرسٹر اعتزاز احسن، قانون دان علی احمد کرد، جسٹس طارق محمود اور منیر احمد ملک سمیت کئی وکلا کو پابند سلاسل کر دیا گیا۔ تین ماہ کی قید کے بعد ان کو رہائی نصیب ہوئی مگر اعتزاز احسن، علی احمد کرد اور جسٹس طارق کو دوبارہ نظر بند کر دیا گیا۔ مگر اس کے باوجود حکومت شخصی آزادی کی بھی دعویدار ہے اور عجیب طرفہ تماشہ ہے کہ نگران کابینہ کا ایک وفاقی وزیر ان نظر بندیوں کو غیر قانونی بھی قرار دے رہا ہے اور حکومتی غیر قانونی اقدام کے باوجود نگران وزیر بھی ہے حالانکہ وہ حقوق انسانی کے حوالے سے بھی مشہور ہیں۔ مگر یہ صورت حال ناقابل فہم ہے۔

ان مثالوں کے ہوتے ہوئے کوئی امکان نہیں کہ صدر پرویز مشرف نئی حکومت کے ساتھ چل سکیں گے کیونکہ ان کے پاس اسمبلی تحلیل کرنے والی شق کی ننگی تلوار موجود ہے، اور اس سلسلے میں انہیں امریکی آشیرباد بھی حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی نائب وزیر خارجہ رچرڈ باؤچر نے کانگریس کے پینل کو بریفنگ کے دوران بتایا کہ "موجودہ حالات میں پرویز مشرف اور پاکستان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر نئی پارلیمنٹ نے ان کے مواخذہ یا عدلیہ کو بحال کرنے جیسا کوئی اقدام کیا تو صدر مشرف اسمبلی توڑنے کے مجاز ہوں گے اور اس سلسلہ میں ان پر کوئی قدغن نہیں ہے۔" ان حقائق کی موجودگی میں صدر مشرف کے نئی حکومت کے ساتھ چلنے کے دعوی پر یہی کہا جاسکتا ہے کہ۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا!
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

اس غیر متوازن اختیاراتی جنگ کے خاتمے اور مستقبل میں فوجی آمریت کے روکنے کی واحد صورت یہ ہے کہ موجودہ نظام کو جڑ سے اُکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔ کیونکہ تمام خرابیوں کی جڑ یہی نظام ہے اور نیا نظام کسی انتخابی عمل یا محض دعوت کے نتیجے میں قائم نہیں ہوگا بلکہ اس کے لیے پُرامن منظم عوامی تحریک کی اشد ضرورت ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو موجودہ صورتِ حال جوں کی توں برقرار رہے گی۔

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

محمد سمیع

بھارت میں بابری مسجد ڈھادی گئی۔ ہم احتجاج کرتے رہے!

گوانتاناموبے میں قرآن کی توہین کی گئی، ہم نے احتجاجی مظاہرے کیے!

حضور ﷺ کے توہین آمیز خاکے شائع ہوئے! ہم سراپا احتجاج بنے رہے!

اب ایک بار پھر یہ گستاخی کی گئی ہے اور ہم احتجاج کر رہے ہیں! احتجاجات اور بیانات کی بھرمار ہے۔ صلیبی اور صیہونی انتہا پسندی پر احتجاج بجا ہے، یہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے، مگر اصل بات یہ ہے کہ

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

مسلم حکمرانوں سے لے کر عوام تک کوئی بھی یہ غور کرنے کے لئے تیار نہیں کہ اس ساری صورتحال کے ذمہ دار ہم خود ہیں یا کوئی اور، غور کریں۔ کیوں؟ کہیں واقعی قصور اپنا نکل آیا تو کیا ہوگا۔ دیکھئے، قرآن تو کیا کہہ رہا ہے، غالب تم ہی ہوں گے اگر تم مومن ہو (آل عمران)...... مگر آج ہم ساری دنیا میں مغلوب ہیں۔ کیا مطلب ہے اس کا؟ کیا ہم مومن نہیں رہے؟ سوچیں، غور کریں، اپنے سراپا پر نظر دوڑائیں۔ کتنے لوگ ہیں جو یہ دعویٰ کرسکیں کہ ہاں ہمارا حلیہ مومنوں جیسا ہے۔ لارڈ کرزن بنے پھرنا اور پھر یہ دعویٰ کرنا کہ ہاں ہم مومن ہیں، کیا ہمیں زیب دیتا ہے؟ کیا ہم رزق حلال پر قناعت کرتے ہیں؟ اگر ایسا ہوتا تو کرپشن کا دور دورہ کیوں ہوتا؟ ہمارے گھروں سے تلاوت اور ذکرواذکار کی صدائیں بلند ہوتی ہیں یا گانوں اور ڈراموں کی۔ کیا کھیل کے ذریعے ہم جو کچھ صبح وشام دیکھتے ہیں وہ فحاشی کے زمرے میں نہیں آتا؟ اور ہمارا اخلاق؟ الاماں والحفیظ۔ کیا کسی بھی اعتبار سے ہم صاحب خلق عظیم ﷺ سے کوئی مناسبت رکھتے ہیں؟ لوگوں میں اخلاقی فضائل تو خال خال نظر آتے ہیں لیکن اخلاقی رذائل کا کوئی شمار نہیں۔

دین سے ہمارا تعلق تو بس برائے نام رہ گیا ہے اور جن کا تھوڑا بہت تعلق ہے بھی تو وہ بس نماز روزے کی حد تک ہے، ورنہ کیا وجہ ہے کہ نماز پنجگانہ کی ادائیگی پر تو بہت زور ہے لیکن رشوت سے اجتناب نہیں۔ انڈر انوائسنگ بھی ہو رہی ہے اور اوور انوائسنگ بھی۔ زکوٰۃ وصدقات کی بھی بھرمار ہے اور سودی لین دین بھی جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں بتایا تھا کہ شیطان کی بندگی نہ کرو، میری بندگی کرو کہ یہی سیدھا راستہ ہے (سورۃ یٰسین)، مگر ہمارا طرزِ عمل تو یہ بتا رہا ہے کہ بندے تو ہم رحمان کے ہیں لیکن یاری ہماری شیطان سے ہے۔ معاشرے پر نظر دوڑایئے۔ مسلمان امت کو کتنی قوموں، قومیتوں، فرقوں اور گروہوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ قرآن کی تعلیم تو یہ ہے کہ رحمان کے بندے کسی کی جان نہیں لیتے۔ لیکن ہم قبیلوں، علاقوں، زبانوں اور مذہبی بنیادوں پر ایک دوسرے کا خون بہاتے ہیں۔ پھر بھی نادم نہیں ہوتے۔ ہمارے مذہبی رہنما فرقہ واریت کی بنیاد پر جدال وقتال کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں تو ہمارے سیاسی رہنما لاشوں کی بنیاد پر سیاست کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی تعلیم تو یہ ہے کہ آپس میں نہ جھگڑو کہ اس سے تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ آج ہماری ہوا اکھڑ چکی ہے، جبھی تو ظلم وزیادتی کے لئے اغیار نے ہمیں تختہ مشق بنایا ہوا ہے۔ جب تک ہم قوموں اور قومیتوں میں، فرقوں اور گروہوں میں بٹے رہیں گے، دشمنوں کے تختہ مشق بنے رہیں گے۔ وہ ہمارے زخموں پر نمک پاشی کرتے رہیں گے اور ہم چیختے چلاتے رہیں گے۔ ہمارے لئے تو یہ پورا کرۂ ارض گوانتاناموبے اور ابوغریب جیل بنا ہوا ہے۔ اس سے رہائی کی صرف ایک صورت ہے کہ ہم ایک بار پھر امت مسلمہ بن کر دکھائیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ انفرادی سطح پر اپنے سیرت و کردار کی اصلاح کریں۔ نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کو اختیار کریں۔ اپنے طرز عمل سے ثابت کریں کہ ہم واقعی مومن ہیں اور اجتماعی سطح پر ہم اس نظام خلافت کے قیام کی راہ ہموار کریں جس کی مثال دنیا آج تک پیش کرنے سے قاصر ہے۔ خلافت کے قیام کے نتیجے میں مسلم امہ میں اتحاد پیدا ہوگا۔ اگر آج یورپی اقوام متحد ہو کر یورپی یونین بنا سکتی ہیں تو کیا مسلم اقوام متحد ہو کر خلافت قائم نہیں کرسکتیں۔ مسلم اقوام کو یہ چیلنج قبول کرنا ہوگا، اگر وہ واقعی چاہتی ہیں کہ ان پر ظلم وستم کا سلسلہ بند ہو۔ جب تک خلافت کا ادارہ بحال نہیں ہوتا، اتحاد بین المسلمین کا نعرہ نعرہ ہی رہے گا، حقیقت نہیں بن سکتا۔

کیا میں اربابِ علم کا دشمن ہوں؟

سید قاسم محمود

"انجمن اتحاد و ترقی" کے ادیب، شاعر اور فن کار اور ماسونی تحریک کے ایجنٹ یہ پروپیگنڈا کرتے رہے کہ سلطان عبدالحمید عقل و دانش کا دشمن تھا۔ مغربی مصنفین اور اُن سے متاثر مسلمان قلم کار بھی اب تک یہی رٹ لگائے ہوئے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ سلطان نے علوم و فنون کی سرپرستی کی اور عقل و دانش کے نام پر مغربیت اور الحاد کی تبلیغ کرنے والوں کا انہوں نے ساتھ نہیں دیا۔ سلطان نے اپنی "ڈائری" میں لکھا ہے:

"بغیر شرم کے یہ پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے کہ "میں اربابِ دانش کا دشمن ہوں۔" اگر اربابِ دانش اسی طرح کے لوگ ہوتے ہیں تو ہاں، میں نے اپنی زندگی میں کبھی اِس عقل کو اہمیت نہیں دی، اور اگر اُن کی مُراد ایسے لوگوں سے ہے جو صحیح معنوں میں دانش مند ہیں تو اُن سے میری دشمنی کی کوئی مثال پیش کریں۔ اگر وہ کوئی ایک دلیل بھی اپنی تائید میں پیش کر دیں تو میں اُن کی ساری باتیں تسلیم کر لوں گا۔ میں تو پوری زندگی دانش مند انسان کی تلاش میں رہا ہوں۔ افسوس کہ کوئی ایک بھی فرد ایسا نہ مل سکا، جسے دانش مند کہا جا سکے، اسی لیے میں انہی مصنفین اور قلم کاروں سے تعاون کرنے پر مجبور ہوا۔"

"اگر میں عقل و علم کا دشمن ہوتا تو یونیورسٹی کا افتتاح نہ کرتا اور ایسے مدرسوں کی تشکیل نہ کرتا جو حکومت کے لیے مہذب اور تعلیم یافتہ افراد پیدا کریں جیسے "مکتب ملکیہ شاہانہ" کا قیام۔ اور اگر میں عقل و علم کا دشمن ہوتا تو کیا اِن دوشیزاؤں کے لیے جو مردوں سے اختلاط پسند نہیں کرتیں، دار المعلمات (ٹیچرس کالج) کے قیام کی منظوری دے سکتا تھا؟ اور اگر میں عقل و علم کا دشمن ہوتا تو کیا غلطہ سرائے کے مدرسے کو یورپی یونیورسٹی کے معیار تک لے جاتا اور وہاں کے لیے حقوق کے نصاب کی تعلیم کو لازمی قرار دیتا؟"

"جب میں نے مکتب ملکیہ شاہانہ میں فلسفے کی تدریس کا فرمان جاری کیا تو تمام طلبہ بغاوت پر اُتر آئے۔ انہوں نے کہا: لوگ ہمیں کافر بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن مجھے معلوم تھا کہ کفر علم میں نہیں، بلکہ جہالت میں ہے۔ میں نے فلسفے کی تعلیم کو لازمی کر دیا اور طلبہ نے نام کی تبدیلی کے ساتھ اس کی تعلیم حاصل کی۔ ہم نے فلسفے کی جگہ اس کا نام بدل کر حکمت رکھ دیا۔ اسی طرح یونیورسٹی میں اِن اسباق کی تدریس طبعیات کے نام سے شروع کرنے کا میں نے حکم دے دیا۔

متعلمین اور معلمین کی تیاری کے لیے میں نے مدارس کھولنے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اُن لوگوں کی ہمت افزائی اور سرپرستی کی، جو اس میدان میں کام کر رہے تھے۔ چنانچہ میں نے جودت پاشا، احمد مدحت آفندی، یہاں تک کہ مُراد آفندی کی بھی، جو اپنے آپ کو بڑا مورخ سمجھتا ہے، اور دوسرے بہت سے مصنفین کی امداد کی، اور انہیں کتابیں فراہم کرنے کی ذمہ داری بھی لی۔

میں نے دوسرے ادیبوں کی حمایت اور کفالت کس طرح کی، اس پر گفتگو پہلے بھی کر چکا ہوں۔ یتیموں کے لیے

بغیر شرم کے یہ پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے کہ "میں اربابِ دانش کا دشمن ہوں۔ میں کبھی کسی تعلیم یافتہ شخص سے خوف زدہ نہیں ہوا۔ میں تو اُن احمقوں سے ڈرتا ہوں جو مغرب پر فریفتہ ہیں، جنہیں مغرب کے معاملات اور لباسوں نے فتنے میں مبتلا کر رکھا ہے۔ یہ لوگ میری ادنیٰ توجہ کے مستحق نہیں رہے۔ مجھے اس پر کوئی ندامت نہیں ہے

دار الشفقت کی بنیاد مجھ سے پہلے رکھ دی گئی تھی، لیکن یہ ادارہ تقریباً بند پڑا تھا۔ اس کا قیام میری سلطنت کے یتیموں کی نگہداشت اور عنایت کے لیے ہوا تھا۔ آج اس کا متحرک وجود میری کوششوں کا مرہون ہے، لیکن آج کتنے ہی غریب میری دشمنی پر تلے ہوئے ہیں۔ تقریباً اِن سب لوگوں نے تعلیم انہی مدارس میں حاصل کی ہے، جن کا افتتاح میں نے کیا ہے۔ انہیں کوئی ندامت نہیں ہوتی، اور یہ باعثِ صد افسوس ہے کہ مجھ پر "عقل و دانش کا دشمن" جیسے لقب کا اطلاق کر رہے ہیں۔"

"میں کبھی کسی تعلیم یافتہ شخص سے خوف زدہ نہیں ہوا۔ میں تو اُن احمقوں سے ڈرتا ہوں جو بعض کتابیں پڑھ کر اپنے کو عالم سمجھ بیٹھے ہیں۔ یہ مغرب پر فریفتہ وہ لوگ ہیں، جسے مغرب کے معاملات اور لباسوں نے فتنے میں مبتلا کر رکھا ہے۔ یہ لوگ میری ادنیٰ توجہ کے مستحق نہیں رہے۔ مجھے اس پر کوئی ندامت نہیں ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا وہ سلطان عقل و علم کا دشمن ہو سکتا ہے، جس نے تیس سالہ دورِ حکومت میں اِس بات کی بھرپور جدوجہد کی ہو کہ وہ ہر گاؤں میں ایک مسجد اور ہر مسجد کے پہلو میں ایک مدرسہ قائم کر دے؟ یہ لوگ ذرا اُن کتابوں کی فہرست ہی کو دیکھ لیں جو میرے دور میں شائع ہوئیں اور بعد کے دور سے اُن کا تقابل کر لیں۔ یورپ کے کتنے ہی ادیب، فلسفی اور بڑے عالم ہیں، جن کی بہترین تخلیقات میرے دور میں شائع ہوئیں اور ان کو خریدنے اور پڑھنے کا رواج ہُوا۔ میں نے تعلیم کے لیے یورپ وفود روانہ کیے۔ یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ان میں سے چار پانچ فتنہ پرور نکلے، لیکن ان کی اکثریت حکومت کے لیے بہترین خدمات انجام دے رہی ہے اور مجھے ان پر فخر ہے۔"

"میرے دورِ حکومت میں بکواس کرنے والے پیدا نہیں ہوئے۔ لوگوں نے تعلیم و تعلم میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ میرے دور میں بڑے علماء پیدا ہوئے۔ ہر شخص نے بقدرِ صلاحیت علم حاصل کیا اور میں نے اُن کی ہمت افزائی بھی کی۔ آخر میں (تعلیم و تعلم میں) اِن لوگوں کی ہمت افزائی کیوں نہ کرتا، جبکہ میرے ملک پر نازل ہونے والی مصیبتوں کی بنیاد ہی ہماری عدم واقفیت اور جہالت رہی ہے۔

تختِ حکومت پر بیٹھتے ہی میں نے ملک کے کونے کونے میں ٹیلی گراف کا نظام رائج کیا، جبکہ اُس وقت یورپ کے بعض ممالک میں بھی یہ متعارف نہ ہو سکا تھا۔ میری جیب خاص سے استنبول میں آبدوز کشتیوں کے تجربے کیے گئے۔ اُس وقت انگلستان میں بھی اِن آبدوزوں کا وجود تک نہ تھا۔ اگرچہ میرے بعد لوگوں نے اِس پروگرام کو منسوخ کر دیا اور اِس ناکردہ گناہ کو میرے سر تھوپ دیا گیا۔۔۔۔۔۔ نہیں، ہرگز نہیں۔ میں دُکھی دل سے یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں کسی بھی مفید اور بہتر چیز کا مخالف نہیں رہا۔ پھر اِس اہم ترین پہلو کا دشمن میں کیسے ہو سکتا تھا؟"

دستور سازی کی جدوجہد

سلطان عبدالحمید خان پر مطلق العنانی اور استبداد کا

الزام لگایا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے تحریک مشروطیت کی مخالفت کی تھی، تاکہ اُن کی آمریت کی راہ میں کوئی چیز سدِ راہ ثابت نہ ہو۔ سلطان نے ان الزامات کا بھی جواب دیا ہے۔ وہ اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں:

”آج لوگ کہتے ہیں کہ میری طبیعت میں شک اور اضطراب ہے۔ میں اس سے انکار نہیں، کہ اس کے کچھ اثرات میری طبیعت میں پائے جاتے ہیں۔ عیوب اور کوتاہیوں سے ماوراء ذات حق سُبحانہ کی ہے۔ البتہ میں پوری شدت سے اِس بات کی تردید کرتا ہوں کہ میں ترقی کا دشمن ہوں۔

اگر میں نے یہ بات احمد رضا بک سے اُس زمانے میں کہی ہوتی تو اِس بدگمانی کا احتمال تھا کہ خوف و اضطراب سے میں اپنا دفاع کرنا چاہتا ہوں۔ حکمران دنیاوی سلطنت وحکومت کے تمام افعال واعمال کے لیے تاریخ کے سامنے جوابدہ ہیں اور آخرت میں وہ اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔ انہیں افراد کے سامنے جوابدہی نہیں کرنا ہوگی۔

دوسری بار عثمانی پارلیمنٹ کا افتتاح کرتے ہوئے میں نے وضاحت کر دی تھی کہ پارلیمنٹ پہلی بار اِس لیے معطل ہوگئی تھی کہ ترک قوم ابھی سیاسی بلوغت کو نہ پہنچی تھی۔ اُس وقت لوگوں نے اس پر تنقید کی تھی اور اسے بے بنیاد قرار دیا تھا۔ تیس سال کی مدت گزر گئی۔ بتایئے، کیا یہ پرلیمانی نمائندے پختگی اور بلوغت کو پہنچ پائے جو بظاہر تعلیم یافتہ ہیں؟

پہلی پارلیمنٹ کسی نہ کسی شکل میں منعقد ہوئی اور دوسری پارلیمنٹ بھی وقتاً فوقتاً منعقد ہوتی رہی۔ میرا شک اور اضطراب اِس حد کو پہنچ گیا کہ مجلس قانون ساز میں بیٹھ کر مخالفین نے خوشیاں منائیں اور رقص کیا۔ جب طرابلس سلطنتِ عثمانیہ سے الگ ہوا، اُس کے بعد بھی حکومت کے حامیوں نے جنگِ عظیم چھڑ جانے کا تالیاں بجا کر استقبال کیا۔ قومی صحافت اس پر خاموش رہی۔ البتہ میں نے سنا کہ جو مفید منصوبے تکمیل کو پہنچے، اُن کی تکمیل کا سہرا بھی انہی پارلیمانی نمائندوں کے سر باندھ دیا گیا، مثال کے طور پر ریلوے لائن کا منصوبہ۔ اِن لوگوں نے ذاتی مفاد اور تجارت کا ایسا کاروبار شروع کیا کہ مجھے مجبوراً یہ تصور کرنا پڑا کہ مشروطیت اور دستور سازی کے اصول و آداب کے تحت یہ قوم ابھی پختہ اور باکمال نہیں ہوسکتی۔

میں واضح کرتا ہوں کہ پارلیمنٹ کے افتتاح کے وقت میں نے اقتدار یا ذاتی مفاد کی خاطر منصوبہ بندی کرنے کی بجائے سلطنت کے مفاد کو مقدم رکھا۔ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ میں نے آمریت اور استبداد کے تحفظ کی خاطر اقدامات کیے، وہ جانب داری کے مرض میں مبتلا ہیں۔

جب میں نے مشروطیت کا اعلان کر دیا تو کیا فائدہ ہوا؟ کیا مملکت کے قرضوں میں کوئی کمی ہوئی؟ کیا سڑکوں، شاہراہوں، ہسپتالوں، سکولوں اور مدرسوں کی تعداد میں اضافہ ہوا؟ کیا اس کے بعد بننے والے قوانین زیادہ قریب عقل ہو گئے؟ کیا امن و امان کا مسئلہ حل ہو گیا؟ کیا باشندے اب زیادہ خوشحال ہو گئے ہیں؟ کیا اموات کم ہوگئی ہیں؟ بچوں کی شرح پیدائش بڑھ گئی ہے؟ کیا اب عالمی رائے عامہ ہمارے حق میں زیادہ ہوگئی ہے؟ اسی طرح متعدد سوالات ہیں جن کا کوئی جواب کسی کے پاس نہیں ہے۔ یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہیے کہ میری فکر اور میرا اطمینان ہمیشہ اُس حکومت کے خلاف ہوگا جو مشروطیت پر مبنی ہوگی۔ کامیاب دوا بھی سم قاتل بن جاتی ہے، جب وہ ڈاکٹروں کے علاوہ کسی دوسرے کے ہاتھ میں چلی جائے یا اُن لوگوں کے پاس پہنچ جائے جو اس کے استعمال سے ناواقف ہوں۔ نیم حکیم خطرۂ جاں۔

حکومت کو کمزور کرنے کا الزام

سلطان عبدالحمید پر نااہلی، عدم استعداد اور فرائض سے چشم پوشی کا الزام بھی لگایا جاتا ہے۔ سلطان نے اِس الزام کی تردید بھی اپنی ”ڈائری“ میں کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”میرے ایک معاون نے ایک دن مجھ سے کہا کہ اس نے ایک جہاز میں چار پانچ آدمیوں کو باہم جھگڑتے دیکھا۔ ان میں ایک شخص، جو زبان کا کافی تیز تھا، غضب ناک ہو کر چیخا کہ ملک میں جو آگ لگی ہوئی ہے اور بدامنی پھیلی ہوئی ہے، یہ عبدالحمید کا ترکہ ہے۔ اُس نے مدحت پاشا کو جیل میں بند کر دیا، پھر اُسے قتل کرا دیا۔ اس نے ایسا راستہ اختیار کیا جس کی وجہ سے ہم اِس حالت بد کو پہنچے۔ یہ اس کا لازمی نتیجہ تھا۔ ......میرے اُس معاون نے کافی چھان بین کے بعد پتا چلایا کہ یہ شخص ڈاکٹر ناظم بک سلانیکی ہے جو میرے خلاف یہ مذموم پروپیگنڈا کر رہا ہے......“ [ڈاکٹر ناظم بک (1870ء-1926ء) ترکی کا مشہور سیاست دان، انجمن اتحاد و ترقی کے بانیوں میں سے تھا۔]

”......میں ڈاکٹر ناظم بک کے بارے میں تیس برس سے سنتا آ رہا ہوں۔ وہ احمد رضا بک کے ساتھ مل کر میرے خلاف کام کرتا ہے۔ لوگوں نے مجھے بتایا تھا کہ وہ انجمن اتحاد و ترقی کے متعصب ارکان میں سے ہے۔ وہ انانیت پسند ہے، اپنی ذات میں مگن رہتا ہے، اور کوئی اُسے پسند نہیں کرتا۔ وہ کسی سے محبت اور اخلاص کا معاملہ نہیں رکھتا، کیونکہ اُس کے اندر محبت کی رمق بھی نہیں پائی جاتی۔ میں بسا اوقات اپنے مخالفین کی زندگی اور سرگرمیوں کا پتا چلا لیا کرتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ ناظم بک اپنے اصل ڈاکٹری پیشے کے لیے کام نہیں کرتا، اور اسے طبابت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، بلکہ وہ ہر وقت سیاست میں مشغول رہتا ہے، لیکن اُس کی سیاست کیا ہے، یہ بھی واضح نہ ہو سکا۔ وہ مختلف سیاسی سرگرمیوں میں مشغول رہتا تھا۔ لوگوں نے بتایا کہ اُس کے اندر ایک ہی خصوصیت ہے۔ یہ کہ وہ اپنے دوستوں کی نظر میں ایک ممتاز شہری ہے جو حکومت کی چھوٹی بڑی کسی ذمہ داری کو قبول کرنے سے سختی سے انکار کر دیتا ہے۔

یہاں میں ڈاکٹر ناظم بک کی شخصیت پر گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ وہ ایسا شخص ہے جو اپنے اندر بلند ترین اور پاکیزہ ترین چیزوں سے خود کو عاری کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، حتیٰ کہ وہ خود کو قلب وضمیر سے بھی محروم رکھ سکتا ہے۔

یہاں تو مجھے اُس گھٹیا اور سوقیانہ الزام پر گفتگو کرنی ہے جو اُس نے جہاز میں بیٹھ کر مجھ پر عائد کیا ہے۔ عبدالحمید نے فتنوں کو شعلہ زن کیا ہے یا نہیں؟ کیا اشتعال انگیزی کے لیے مصالحہ پہلے سے موجود تھا؟ کیا عبدالحمید کے تیس سالہ دور سے پہلے اس کی چنگاریاں نہیں تھیں؟ یہاں بحث مباحثے اور مناظرہ کا موقع نہیں ہے۔ یہ تو تاریخ ہے۔ ڈاکٹر ناظم بک اور اُس کے رفقاء کسی دن تاریخ کا حصہ ہوں گے۔

میں نے حکومت اِن نام نہاد ”مجاہدین“ کو سونپ دی تھی اور ایک سال کے بعد صاحب اقتدار اپنے بھائی کو سلطنتِ عثمانیہ حوالے کر دی تھی۔ میرے دور میں سلطنت کی حدود اشقودرہ سے خلیج بصرہ تک اور بحرِ اسود سے صحرائے افریقہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اگر تقابل کیا جائے تو میرے جانشینوں کو معلوم ہوگا کہ میں کوئی فتنہ انگیزی نہیں کی۔ میں تو ایک بڑا علاقہ ترکے میں چھوڑا ہے، جس میں تیس ملین سے زیادہ انسان آباد ہیں، اور ایک زبردست فوج چھوڑی ہے۔ میں پوچھتا ہوں، کیا اِن لوگوں نے میرے عہد حکومت میں انجام دیئے گئے، کاموں کا تہائی حصہ بھی پورا کیا ہے؟ تہائی حصہ تو جانے دیجیے، ہم کہتے ہیں کہ کیا اس کا دسواں حصہ بھی ان لوگوں نے انجام دیا ہے؟

”جب میں برسراقتدار ہوا تو ہمارے قرضے تین سو ملین ترکی لیرا کے قریب تھے۔ میں نے بتدریج کم کر کے تیس ملین لیرا تک پہنچایا، یعنی قرضے میں دس گناہ تخفیف کی، جبکہ دو بڑی جنگیں ہوئیں اور بغاوتوں نے سر ابھارا۔ لیکن ناظم بک اور اُس کے رفقاء نے قرضوں کو تیس ملین سے بڑھا کر چار سو ملین تک پہنچایا، یعنی تیرا گناہ اضافہ کیا۔ یعنی میرے جانشینوں نے، میری مراد اپنے بھائی سے نہیں ہے، کیونکہ امورِ سلطنت اُس کے قابو میں نہیں ہیں، اسی لیے میں نے جانشینوں کا لفظ استعمال کیا ہے، قرضوں میں زبردست اضافہ کر کے بڑی کامیابی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔“

بدکاری اور اس کے مقدمات

عتیق الرحمٰن صدیقی

اخلاق ذمیمہ یعنی بری خصلتیں اللہ تعالیٰ کو اس لئے ناپسند ہیں کہ ان سے بنی نوع انسان کو نہ صرف مادی نقصان پہنچتا ہے بلکہ ان سے ان کی روحانی بالیدگی بھی بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ ان کی وجہ سے معاشرت تباہ ہوتی ہے، دینی و دنیوی ارتقاء کی راہیں مسدود ہوتی ہیں اور وہ سعادتیں معدوم ہو جاتی ہیں جو فوز و فلاح کی ضامن ہوتی ہیں۔ ان رذائل اخلاق کو قرآن حکیم نے منکر، فحشاء، سیّہ اور اِثم سے تعبیر کیا ہے۔ یہ الفاظ کہیں یکجا استعمال ہوئے اور کہیں الگ الگ۔ سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْىِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝﴾

"اللہ تم کو انصاف اور احسان اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے اور برائی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے اور تمہیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم سبق لو۔"

یہاں پہلے تین بھلائیوں کا ذکر کیا گیا اور پھر تین برائیوں سے روکا گیا ہے جو انفرادی حیثیت سے افراد کو اور اجتماعی حیثیت سے پورے معاشرے کو خراب کرنے والی ہیں۔ پہلی برائی جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ فحشاء ہے، جو فحش سے نکلا ہے جس کے معنی حد سے آگے بڑھ جانے کے ہیں اور دوسرے لازمی معنی قبیح یعنی برائی کے ہیں۔ صاحب تفہیم القرآن کے الفاظ ہیں: "فحشاء کا اطلاق تمام بے ہودہ اور شرم ناک افعال پر ہوتا ہے۔ ہر وہ برائی جو اپنی ذات میں نہایت قبیح ہو فحش ہے، مثلاً بخل، زنا، برہنگی و عریانی، عمل قوم لوط، محرمات سے نکاح کرنا، چوری، شراب نوشی، بھیک مانگنا، گالیاں بکنا اور بدکلامی کرنا وغیرہ۔ اسی طرح علی الاعلان برے کام کرنا اور برائیوں کو پھیلانا بھی فحش ہے، مثلاً جھوٹا پروپیگنڈا، تہمت تراشی، پوشیدہ جرائم کی تشہیر، بدکاریوں پر ابھارنے والے افسانے اور ڈرامے اور فلم، عریاں تصاویر، عورتوں کا بن سنور کر منظر عام پر آنا، علی الاعلان مردوں اور عورتوں کے درمیان اختلاط ہونا اور سٹیج پر عورتوں کا ناچنا اور تھرکنا اور ناز و ادا کی نمائش کرنا وغیرہ۔

منکر سے مراد ہر وہ برائی ہے جسے انسان بالعموم برا جانتے ہیں اور ہمیشہ سے برا کہتے رہے ہیں اور تمام شرائع الٰہیہ نے جس سے منع کیا ہے، بغی کے معنی حد سے تجاوز کرنے اور دوسروں کے حقوق پر دست درازی کرنے کے ہیں خواہ وہ حقوق خالق کے ہوں یا مخلوق کے" (تفہیم القرآن جلد دوم)

سورۃ الاعراف میں اللہ نے فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّىَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْىَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ (آیت:33)

"(اے نبیؐ) ان سے کہو کہ میرے رب نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ تو یہ ہیں، بے شرمی کے کام، خواہ کھلے ہوں یا چھپے گناہ اور ناحق زیادتی۔"

یہاں "اِثم" کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے جس کے اصلی معنی کوتاہی کے ہوتے ہیں یعنی انسان کا اپنے رب کی اطاعت و فرماں برداری میں قدرت و استطاعت کے باوجود کوتاہی کرنا اور اس کی رضا کو پہنچنے میں جان بوجھ کر قصور دکھانا، چنانچہ اس نافرمانی کو گناہ قرار دیا گیا ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ میں رذائل کو تین لفظوں میں منحصر کیا گیا ہے یعنی فحشاء، منکر اور بغی۔ یہ خصلتیں صفات ذمیمہ ہیں۔ فواحش یعنی حد درجہ قبیح اور بے حیائی کے کام، جنہیں ہر انسانی معاشرت نے یکساں برا کہا ہے۔ یہ دین و شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ، مبغوض اور گناہ ہیں۔ اگر انہیں جواز فراہم کرنے کی مذموم کوشش کی جائے تو اس سے نہ صرف افراد کے حقوق غیر محفوظ ہو جائیں بلکہ کسی کی جان و مال اور آبرو بھی سلامت نہ رہے، اللہ نے اپنی کتاب میں بنی اسرائیل کی ملامت کی کہ وہ برائیوں کے ارتکاب پر کسی کو روکتے نہ تھے اور بھلے لوگوں کی یہ صفت بیان فرمائی کہ وہ منکر سے منع کرنے والے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان برائیوں کے استیصال اور قلع قمع کرنے پر زور دیتا ہے۔ ایسی حدود و قیود کا نفاذ کرتا ہے کہ برائی پنپنے نہ پائے۔ ان تمام سرچشموں پر قدغنیں عائد کرتا ہے جو برائی کے نشوو ارتقاء کا باعث بنتے ہیں۔ قرآن نے کہا:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝﴾ (بنی اسرائیل)

"زنا کے قریب نہ پھٹکو وہ بہت برا فعل ہے اور بڑا ہی برا راستہ۔"

یہاں زنا کے قریب نہ پھٹکو، کہہ کر یہ واضح کیا گیا کہ افراد محض فعل زنا ہی سے بچنے پر اکتفا نہ کریں بلکہ زنا کے مقدمات اور اس کے ان ابتدائی محرکات سے بھی دور رہیں جو اس راستے کی طرف لے جاتے ہیں۔ سید مودودی لکھتے ہیں: "رہا معاشرہ، تو اس حکم کی رو سے اس کا فرض یہ ہے کہ وہ اجتماعی زندگی میں زنا اور محرکاتِ زنا اور اسباب زنا کا سدباب کرے اور اس غرض کے لئے قانون سے، تعلیم و تربیت سے، اجتماعی ماحول کی اصلاح سے، معاشرتی زندگی کی تشکیل سے اور دوسری تمام مؤثر تدابیر سے کام لے۔" (تفہیم القرآن)

جو عوامل طبیعت میں ہیجان پیدا کرتے ہیں، جذبات شہوت کو مشتعل کرتے ہیں ان کو روکے بغیر یہ توقع رکھنا کہ قانون کی قوت سے لوگوں کو بدکاری سے بچایا جا سکے گا، ایک بہت بڑی حماقت ہے، بلکہ ان راستوں کو بند کرنا ضروری ہے جو ایک فرد کو اس جرم شنیع کی طرف لے جاتے ہیں۔

بدکاری کا سب سے خطرناک راستہ دیدہ بازی ہے۔ برائی کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے۔ شاعر کے بقول ؎

چوں آید بوئے گل خواہد کہ بیند
چوں بیند روئے گل خواہد کہ چیند

(یعنی پھول کی خوشبو آتی ہے تو آدمی دیکھنے کا خواہاں ہوتا ہے اور جب دیکھ لیتا ہے تو توڑنے کا آرزومند ہوتا ہے)

جب آغاز ہی میں نظر بازی پر قدغن عائد کر دی جائے گی تو بات بڑھنے نہ پائے گی، اسی بنا پر قرآن نے مردوں اور عورتوں دونوں کو غض بصر یعنی نگاہیں نیچے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اے نبی ﷺ، مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔"

اسی طرح عورتوں کے بارے میں فرمایا گیا:

"اے نبیؐ، مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔"

(النور:30، 31)

غض بصر کے بارے میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

"بد نظری عموماً زنا کی پہلی سیڑھی ہے، اسی سے بڑے بڑے فواحش کا دروازہ کھلتا ہے۔ قرآن کریم نے

بدکاری اور بے حیائی کا انسداد کرنے کے لئے اوّل اسی سوراخ کو بند کرنا چاہا یعنی مسلمان مرد و عورت کو حکم دیا کہ بدنظری سے بچیں اور اپنی شہوات کو قابو میں رکھیں۔"

(تفسیر عثمانی)

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضور ﷺ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

"جو شخص مجھے دو چیزوں کی ضمانت دے ایک وہ جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور دوسری جو اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی شرم گاہ) تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔"

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ نے ضیاء القرآن میں، مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے معارف القرآن میں اور تفسیر ابن کثیر کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضور نبی کریمؐ نے فرمایا:

"نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے جو اس کو میرے خوف سے ترک کرتا ہے میں اسے ایمان کی نعمت بخشوں گا جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں پائے گا۔"

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ غض بصر کے ضمن میں لکھتے ہیں

"آدمی کے لئے یہ بات حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی یا اپنی محرم خواتین کے سوا کسی دوسری عورت کو نگاہ بھر کر دیکھے۔ ایک دفعہ اچانک نظر پڑ جائے تو وہ معاف ہے لیکن یہ معاف نہیں ہے کہ آدمی نے پہلی نظر میں جہاں کوئی کشش محسوس کی ہو وہاں پھر نظر دوڑائے۔ نبی ﷺ نے اس طرح کی دیدہ بازی کو آنکھ کی بدکاری سے تعبیر فرمایا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ آدمی اپنے تمام حواس سے زنا کرتا ہے۔ دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے، لگاوٹ کی بات چیت زبان کا زنا ہے، آواز سے لذت لینا کانوں کا زنا ہے، ہاتھ لگانا، ناجائز مقصد کے لئے چلنا ہاتھ پاؤں کا زنا ہے۔ بدکاری کی یہ ساری تمہیدیں جب پوری ہو جاتی ہیں تب شرم گاہیں یا تو اس کی تکمیل کر دیتی ہیں یا تکمیل کرنے سے رہ جاتی ہیں۔

(بخاری و مسلم)

غض بصر کے حکم کا منشا یہ بھی ہے کہ آدمی کسی مرد اور عورت کے ستر پر نگاہ نہ ڈالے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"کوئی مرد کسی مرد کے ستر کو نہ دیکھے اور کوئی عورت کسی عورت کے ستر کو نہ دیکھے۔" (مسلم، ابوداؤد)

حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا "کسی زندہ یا مردہ انسان کی ران پر نگاہ نہ ڈالو" البتہ غض بصر کے حکم سے مستثنیٰ صرف وہ صورتیں ہیں کہ جن میں کسی عورت کو دیکھنے کی کوئی حقیقی ضرورت ہو۔ مثلاً تفتیش جرائم کے سلسلہ میں کسی مشتبہ عورت کو دیکھنا یا علاج کے لئے طبیب کا مریضہ کو دیکھنا، نکاح کا پیغام بھیجنے پر غیر محسوس انداز میں یا عدالت میں گواہی کے موقع پر قاضی کا کسی گواہ عورت کو دیکھنا حقیقی ضرورت میں شامل ہے۔

(تفہیم القرآن: جلد سوم)

غض بصر اور حفاظت فروج تقاضائے ایمان ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں کہ

"غض بصر کی ہدایت بڑی اہم ہدایت ہے۔ نگاہ ہی درحقیقت مرد اور عورت کے درمیان اولین قاصد کا کام دیتی ہے۔ اگر اس کے اوپر ایمانداری کے ساتھ کوئی شخص پہرہ بٹھا دے تو وہ شیطان کے بہت سے فتنوں سے امان میں ہو جاتا ہے" شرم گاہوں کی پردہ پوشی کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ "حفظ فروج میں بڑا دخل اس چیز کو ہے کہ لباس باقرینہ ہو۔ اس زمانے میں فیشن کے شوق میں ایسی ایجادیں کر دی گئی ہیں کہ اس کا اصل تصور ستر غائب ہو گیا ہے، صرف زینت کا مقصد باقی رہ گیا ہے۔ اور زینت بھی وہ زینت جس کے اندر صریح بدقوارگی نمایاں ہے۔ پہلے تو صرف عورتوں ہی کا رونا تھا لیکن اب مردوں نے بھی وہ لباس اختیار کر لیا ہے کہ اس لباس میں وہ شریفوں کی کسی مجلس میں بھی جانے کا حق نہیں رکھتے، چہ جائیکہ کسی باایمان مسلمان کے گھر کے اندر۔" (تدبر قرآن)

حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے حضرت عبیدہؓ سے نقل کیا ہے کہ "ماعصی اللہ بہ فھو کبیرۃ وقد ذکر الطرفین" یعنی جس چیز سے بھی اللہ کے حکم کی مخالفت ہوتی ہو سب کبیرہ ہی ہیں۔ لیکن غض بصر کی آیت میں ان کے دو طرف ابتدا اور انتہا کو ذکر کر دیا گیا، یعنی ابتدا نظر کو اٹھا کر دیکھنا اور انتہا زنا ہے۔

ہم نے مندرجہ بالا سطور میں جن باتوں کا ذکر کیا ہے یہ فتنہ شہوات کی وہ راہیں ہیں جن کو بند کئے بغیر مہلک اور گھناؤنے امراض سے بچنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

✿✿✿✿✿

کاروباری اور ملازمت پیشہ افراد کے لیے

بنیادی دینی علوم سے آگاہی کا موقع

انجمن خدام القرآن سرحد کے زیر اہتمام

فہمِ دین کورس

کا 3 مارچ 2008ء سے آغاز ہو رہا ہے (ان شاء اللہ)

مضامین: ☆ ترجمہ قرآن ☆ تجوید و قراءت (ناظرۂ قرآن مجید)

☆ ابتدائی عربی گرائمر ☆ عربی بول چال

☆ نماز و ادعیہ ماثورہ کا ترجمہ و حفظ ☆ تعارفِ حدیث

☆ دین کے بنیادی موضوعات پر لیکچر

دورانیہ: 3 ماہ...... **اوقات تدریس:** صبح: 9 سے 12 بجے، شام: 4 سے 7 بجے

تعطیل (ہفتہ اور اتوار)

داخلے کے خواہش مند حضرات

قرآن اکیڈمی

حلیم ٹاور، نشتر آباد (پشاور شہر) کے استقبالیہ سے داخلہ فارم حاصل کریں اور پُر کر کے وہیں جمع کرا دیں۔ برائے رابطہ: 091-2584824

آرمیگاڈان: ایک خوفناک عالمی جنگ

جس کا اہل کتاب بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں، جبکہ مسلمان اُس سے یکسر غافل ہیں

محمد شبیر راجہ

آرمیگاڈان کا لفظ انجیل میں کئی ایک مقامات پر مذکور ہے۔ عیسائی دانشوروں کے ہاں یہ ایک مقدس لفظ ہے، اسی لئے اس کی طرف خاص توجہ دیتے ہیں۔ آرمیگاڈان ایک بڑی ایٹمی جنگ اور بڑا سٹرٹیجک (Strategic) مقابلہ ہے۔ یہ ایک آخری صلیبی جنگ ہے جس کو دینی اور سیاسی ٹکراؤ کا نام دیا گیا ہے۔

انگریزی لفظ آرمیگاڈان کو عبرانی زبان میں ہرمجدون کہتے ہیں۔ ہرمجدون دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ''ہر'' کے معنی پہاڑ اور ''مجدون'' فلسطین کی ایک وادی کا نام ہے، جو شمال میں ''مجیدو'' سے لے کر جنوب میں ایدوم تک 300 کلومیٹر اور مغرب میں بحیرہ روم سے لے کر مشرق میں موہاب کے ٹیلوں تک 150 کلومیٹر کے علاقے پر مشتمل ہے۔ یہی وادی دنیا کی آخری تیسری جنگ کا میدان ہوگی۔

"The New Websters International Encyclopaedia" کے ایڈیٹر ان چیف Michael D. Harkavy صفحہ 69 پر ''Armageddon'' کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

> According to the Bible the site of world's last great battle in which the power's of good will destroy the forces of evil. (Revelation 16:16). The word derives from the name of an ancient city called. "Megiddo" because of the many battles fought on its soil.

امریکہ کے سابقہ صدر رونالڈ ریگن کا قول ہے: ''آرمیگاڈان ٹھیک وہی (اسرائیل کے قبضہ میں فلسطینی) پہاڑی اور میدانی علاقہ ہے جہاں آخری صلیبی جنگ ہوگی''۔ امریکی ادیب گریس ہالس اپنی کتاب میں لکھتی ہیں: ''عیسائی ہونے کے اعتبار سے ہمارا عقیدہ ہے کہ آرمیگاڈان نامی معرکہ کے ساتھ ہی تاریخ انسانیت میں برائی کی قوتوں (دہشت گردوں) کا خاتمہ ہو جائے گا، اور اس معرکہ کا عروج یہ ہوگا کہ مسیح لوٹ کر آئیں گے اور تمام مردوں اور زندوں پر حکومت کریں گے۔'' مغربی دانشوروں اور عوام الناس میں آرمیگاڈان میں دلچسپی لینے کا یہی خاص راز ہے۔

تعجب ہے کہ اہل کتاب (یہودی اور عیسائی) کے اقوال میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ وہ متفقہ طور پر آرمیگاڈان کو ایک عقیدہ سمجھتے ہیں اور اس جنگ کے منتظر ہیں۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ رب (مسیح) ہی مخلص ہے اور وہ لازمی طور پر آخری زمانہ میں آرمیگاڈان کی بھیانک ایٹمی جنگ شروع ہوتے ہی آسمان سے اتر کر آئے گا، تا کہ

> **عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ آرمیگاڈان نامی معرکہ کے ساتھ ہی تاریخ انسانیت میں برائی کی قوتوں (دہشت گردوں) کا خاتمہ ہو جائے گا، اور اس معرکہ کا عروج یہ ہوگا کہ مسیح لوٹ کر آئیں گے اور تمام مردوں اور زندوں پر حکومت کریں گے**

اپنے پیروکاروں کو پکڑ کر بادلوں کے اوپر لے جائے، جہاں وہ شدید جنگ کی ہولناکیاں نہ دیکھ سکیں۔ بلکہ ان کے قول کے مطابق رب (مسیح) بادلوں کے اُوپر بالکونی میں رہیں گے تا کہ جنگ بدکاروں (دہشت گردوں) کا خاتمہ یا دہشت گردی کو زائل کر دے۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ مسلمان اس کے بارے میں بالکل بے خبر ہیں۔ بلکہ الٹا اس شخص کو ڈانٹتے ہیں جو ان آنے والے خطرات سے آگاہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ فطری بات ہے کہ انسان ہر اس چیز کا دشمن ہے جس سے وہ نا آشنا ہو۔

امریکہ کے عیسائیوں کی بڑی تعداد پروٹسٹنٹس فرقہ پر مشتمل ہے۔ ان میں سے بائبل کی نشر و اشاعت اور تشریح کرنے والے Evangelists کہلاتے ہیں۔ ان کے شعلہ بیان مقررین نے اپنے ریڈیو اور ٹی وی چینلز کا وسیع جال پھیلایا ہوا ہے۔ یہ لوگ یہودیوں سے بڑھ کر اسرائیل کے حمایتی اور معاون ہیں۔ اُن کا ایجنڈا اور یہودیوں کا ایجنڈا ایک ہی ہے۔ ان کے نزدیک عالمی جنگ آرمیگاڈان جلد از جلد واقع ہونی چاہیے، جس کے نتیجے میں ''دریائے فرات سے دریائے نیل تک'' عظیم تر اسرائیل قائم ہوگا، اور پھر تیسرے معبد سلیمانی کی تعمیر ہو سکے گی۔ یہودیوں کے نزدیک ان کا موعود منتظر ''مسیحا'' ظاہر ہو کر پوری دنیا پر حکومت کرے گا اور عیسائیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ ابن مریم آسمان سے نازل ہو کر اس تخت ''معبد سلیمانی'' پر بیٹھ کر پوری دنیا پر حکومت کریں گے۔

مغربی اقوام نے دفاعی ٹیکنالوجی میں ترقی حاصل کر کے سمندر اور کرہ ہوائی کو اپنے لئے مسخر کر لیا ہے لیکن اس میں تعجب کی بات نہیں کہ مشرقی اقوام خصوصاً مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ نگاہ فلک پیر میں ایسے اسباب پیدا کرے کہ وہ مستقبل قریب میں اپنی جغرافیائی حدود اور سالمیت کے لئے کچھ کرنے کے قابل ہو جائیں۔ مغرب پوری دنیا کے قدرتی وسائل پر قبضہ کرنے کے لئے خواب دیکھ رہا ہے۔ ممکن ہے کہ مغرب کے اس خواب کی تعبیر بدل جائے۔ اگر طہران (تہران) عالم مشرق (اسلامی دنیا) کی قیادت کرنے کی صلاحیت حاصل کر لے تو ہو سکتا ہے کہ پوری کرۂ ارض پر امن و سلامتی اور انصاف کا دور دورہ ہو جائے۔ علامہ اقبال اپنی کتاب ''ضرب کلیم'' میں جمعیت اقوام مشرق کے عنوان سے نظم میں عالم اسلام کے مستقبل کے حوالے سے کہتے ہیں ۔

پانی بھی مسخر ہے ہوا بھی ہے مسخر
کیا ہو جو نگاہ فلک پیر بدل جائے
دیکھا ہے ملوکیت افرنگ نے جو خواب
ممکن ہے کہ اس خواب کی تعبیر بدل جائے
طہران ہو اگر عالم مشرق کا جنیوا
شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے

آرمیگاڈان ایک تباہ کن ایٹمی جنگ ہے جو بہت قریب ہے۔ شاید یہ جنگ ایران پر اسرائیلی اور امریکی حملہ سے شروع ہو۔ آپ اس کو تیسری عالمی جنگ کا نام دے سکتے ہیں۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ اہل کتاب (یہودی اور عیسائی) اس جنگ کا شعلہ بھڑکائیں گے۔ امریکہ، برطانیہ، اسرائیل اور ان کے اتحادی اس بہانے ایران پر حملہ آور ہوں گے کہ اس نے دوبارہ ایٹم بم بنانا شروع کر دیا ہے۔ امریکہ اسرائیل اور برطانیہ ایران کو دہشت گردی میں ملوث کریں گے۔ ایران اس بات کی تردید کرے گا۔ ایران اور

مغرب میں کشیدگی بڑھ جائے گی۔ اسرائیل ایران پر میزائل داغے گا۔ ایرانی افواج، ایرانی عوام کو گوریلا جنگ کے لئے تیار کرے گی۔ امریکہ اور اتحادی افواج اسرائیل کو مرکز بنا کر شام اور ایران پر چڑھائی کریں گی۔ روسی اور چینی افواج ایرانی فوج اور عوام کے ساتھ خیمہ زن ہو کر اسرائیل کی طرف بڑھنا شروع کریں گے۔ ان کی مڈبھیڑ فلسطین کی وادی میں ہوگی۔ عالمی جنگ آرمیگاڈان کا مرکز یہی علاقہ ہوگا۔ پورا مشرق وسطیٰ جنگ کی لپیٹ میں آجائے گا۔ مغربی دانشوروں کے مطابق آرمیگاڈان کی ابتدا 2008ء سے 2012ء تک کسی بھی وقت ہو سکتی ہے۔

اسرائیل نے 6 مئی 2007ء میں ایران اور پاکستان کے تمام بڑے شہروں تک مار کرنے والے بین البراعظمی ایٹمی میزائلوں کا تجربہ کر کے انہیں ایئرفورس کے حوالے کیا ہے۔ اگر امریکہ نے خلیج فارس سے ایران پر چڑھائی کی تو اسرائیلی ریاست کے خاتمہ میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ امریکہ کو ایرانی قوم اور اس کی عسکری قوت کو مفلوج کرنے میں کافی وقت لگے گا۔ شاید ایران تباہی سے دوچار ہو، لیکن ایرانی قوم اور ایرانی افواج امریکہ کے خلاف مزاحمت جاری رکھیں گے۔ خلیج میں امریکہ اور نیٹو کی بالادستی ختم ہو جائے گی۔ عرب ممالک اور دیگر اسلامی ممالک متحد ہو کر امریکہ اور نیٹو کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ حجاز مقدس (مکہ اور مدینہ) میں عالمی اسلامی خلافت بحال ہو جائے گی۔

بائبل کے باب ''رسولوں کے اعمال'' کی آیت 17 تا 20 کا مفہوم کچھ یوں ہے: ''خدا فرماتا ہے کہ آخری (زمانہ کے) دنوں میں ایسا ہوگا کہ میں اپنی روح میں سے (قوت کاملہ) ہر بشر پر ڈالوں گا۔ اور (اے بنی اسرائیل) تمہارے بیٹے اور تمہاری بیٹیاں (توریت میں سے) خبر دیں گے۔ اور تمہارے جوان اور بوڑھے خواب دیکھیں گے۔ بلکہ میں اپنے (مسلمان) بندوں اور اپنی (مسلمان) بندیوں پر بھی ان دنوں اپنی روح میں سے (قوت کاملہ) ڈالوں گا۔ وہ بھی آخری کتاب (قرآن مجید) میں سے خبریں دیں گے اور میں اوپر آسمان پر عجیب کام اور نیچے زمین پر نشانیاں (خون و آگ اور دھوئیں کا بادل) دکھاؤں گا۔ سورج تاریک (سیاہ) اور چاند خون (سرخ) ہو جائے گا۔ پیشتر اس سے کہ خداوند کا عظیم اور جلیل دن (یوم الغضب) بڑے عذاب کا دن آئے گا۔ اور یوں ہوگا جو کوئی خداوند کا نام پڑھے گا نجات پائے گا۔''

قارئین! حقائق و واقعات کیا اِس امر کی نشاندہی نہیں کر رہے ہیں کہ بڑے عذاب کا دن آیا ہی چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس سے بچائے۔ آمین! یہود کو بہرحال بڑے عذاب سے دوچار ہونا ہے۔ گریٹر اسرائیل ہی یہودیوں کا عظیم قبرستان بنے گا۔ ان شاء اللہ

نادانیوں کا اعادہ یا طلوع شعور

ایاز امیر

''آپ نے یہاں کافی سے زیادہ وقت گزار لیا ہے، آپ نے جو بھلائی کرنی تھی، وہ کر لی۔ اب ہماری جان بخشی فرمائیں، ہماری اتنی ہی درخواست ہے کہ ہماری جان اب چھوڑ دیں۔ برائے خدا اب تو چلے جایئے۔'' یہ کروموپل کے وہ الفاظ ہیں جو باقی ماندہ پارلیمنٹ کو برخاست کرتے ہوئے اپریل 1653ء میں کہے گئے تھے۔ ہماری موجودہ صورتحال کی تصویر کشی کے لئے اس سے زیادہ مناسب الفاظ موجود نہیں۔ پرویز مشرف (ہم نے جو کچھ کہا، کیا وہ اس کے مستحق نہ تھے؟) پاکستان کے لئے سب سے بڑا المیہ اور تباہی و بربادی ہیں لیکن ان سے پہلے بھی ایک نجات دہندہ اس قوم کی گردن پر طبع آزمائی کر چکے ہیں، ہمارا مطلب جنرل یحییٰ خان سے ہے۔ ہاں

> مشرف کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے لئے خود سوچنے کی بجائے اپنے امریکی دوستوں کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ مشرف کے لئے سوچ بچار کا کام کریں

ہمارے خیال میں یحییٰ خان کو یہ کریڈٹ ضرور جاتا ہے کہ انہوں نے تباہی و بربادی کے لئے قوم کے صرف ڈھائی سال لئے۔ لیکن مشرف نے تو ان کے مقابلے میں تین چار گنا زیادہ وقت لے کر تباہی و بربادی کے ایسے کارنامے انجام دیئے کہ ملک کی بنیادیں تک ہلا کر رکھ دیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اب بھی وہ سننے کے لئے تیار ہیں یا سن رہے ہیں؟ پاکستان کے عوام نے انہیں اور ان کی تابعدار فوج کو چلتے پھرتے نظر آنے کا حکم دیا ہے لیکن وہ پھر بھی اسی طرح اپنی سپاہیانہ شان کے ساتھ حکم چلانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ یحییٰ خان بھی مشرقی بازو کے کٹ جانے کے باوجود اپنی صدارت کی بقاء اور تسلسل کے خواہاں تھے۔ مشرف بھی ان سے کچھ کم نہیں۔ وہ بھی ہر صورت میں عہدہ صدارت سے چمٹے رہنے کے خواہشمند ہیں، خواہ 18 فروری کے انتخابات کی شکل میں انہیں کتنی ہی کامل ہزیمت اٹھانی پڑی ہو۔

اس ملک میں خون کے آنسو رونے والے دلوں اور ہر نوع کے بہی خواہوں کی کمی نہیں۔ یہ لوگ مشرف سے التجائیں کر کر کے تھک چکے ہیں کہ وہ شرافت و تہذیب کا مظاہرہ کرتے ہوئے اقتدار سے علیحدہ ہو جائیں، مگر وہ کس کی سنتے ہیں۔ اہل دل اصحاب کی التجائیں گویا چٹان سے سر ٹکرانا ہے۔ مشرف جائیں گے، یہ بات تو طے ہے لیکن انہیں باہر کا راستہ دکھایا جائے گا، انہیں ٹھڈے مار کر نکالا جائے گا، اور وہ روتے دھوتے چیختے چلاتے باہر نکالے جائیں گے۔ پاکستان کے خودساختہ مرد آہن نے بہت پہلے ہی ہر قسم کے وقار و احترام سے ہاتھ دھو رکھے ہیں۔

قارئین کرام! جانے دیں، ہم کیوں ایک ایسے فرد کے حوالے سے اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالیں، جو پہلے ہی قصہ پارینہ بن چکا ہے۔ ملک کو اب مستقبل میں قدم رکھنا ہے، کیونکہ ماضی میں رہنے کا تو کوئی جواز ہی نہیں بنتا۔ معزول شدہ جج صاحبان کی بحالی کے مطالبے زور پکڑ رہے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ کالے کوٹ والے تب تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو جاتے۔ یہی وہ بہترین دوا ہے، جو مشرف کو اس وقت مل سکتی ہے۔ اس دوران اگر وہ ہواؤں کا رخ بدلنے یا موڑنے کی کوشش کرتے ہیں، تو انہیں کوشش کر لینے دیجئے، کسی کا کیا جاتا ہے۔ لیکن ہمارے سیاستدان کس کروٹ بیٹھیں گے؟ کیا انہیں اب بھی عبرت حاصل کرنے کے لئے مزید درس و سبق لینے کی ضرورت ہے؟ آخر آصف زرداری کو امریکی سفیر سے مدد لینے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟ یہ کہنا آسان ہے کہ مشرف کو کچھ حفظ مراتب کا یا وقار کا پاس ہونا چاہیے لیکن آخر ہمارے قومی سیاستدانوں یعنی رہنماؤں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، کیا ان میں کوئی احساس شائستگی و وقار ہونا ضروری نہیں؟

مشرف کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے لئے خود سوچنے کی بجائے اپنے امریکی دوستوں کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ مشرف کے لئے سوچ بچار کا کام کریں۔ موجودہ حالات میں تماشہ ستم یہ ہے کہ پاکستانی عوام نے مشرف کو اسی بات کی سزا دیتے ہوئے باہر کا راستہ دکھا دیا ہے لیکن اب سیاستدانوں کی ایک اور کھیپ ہمارے

امریکی سرپرستوں اور ان داتاؤں سے سیاست کے اسرار و رموز سیکھنے کے لئے اسباق لے رہی ہے۔ ارے بس کیجئے دوستو، اب بہت ہوا یہ کھیل تماشہ۔ یہ پاکستان کے عوام ہی ہیں جنہوں نے پی پی پی کو ان انتخابات میں واضح برتری دلائی۔ اس سلسلے میں کوئی امریکی شہریوں نے یہاں آ کر ووٹ نہیں ڈالے۔ یہی وقت ہے کہ ہمارے رہنما عوام کے دل کی آواز سنیں۔ اس وقت اگر امریکہ سے معشوقیاں کرنے یا نبھانے کی کوشش کی گئی، تو اس سے عوام کو بہت غلط اشارے ملیں گے۔

حالات وواقعات نے زرداری کو ایک ایسی پوزیشن میں کھڑا کر دیا ہے، جہاں قوم ان سے یہ توقع کر رہی ہے کہ وہ ایک مدبر اور دوراندیش سیاستدان کا کردار نبھائیں۔ اس مقام پر پاکستان کے عوام کی آخری خواہش یہی ہے کہ اقتدار کا کھیل جو ماورائے اصول کھیلا جاتا ہے، اس کو اصولوں سے منضبط کیا جائے۔

پس چہ باید کرد یا پھر لینن کے ناقابل فراموش الفاظ کی گونج میں (ان الفاظ میں برسوں گزرنے کے باوجود وہی آتش و آہن موجود ہے۔) یہ کہا جائے کہ ”اب کیا ہونا چاہیے؟“ ہمارے خیال میں اس سوال کا جواب دینے اور کسی نتیجے پر پہنچنے کے لئے ہمیں حساب دانی و شماریات کے خداؤں کا بار احسان اٹھانے کی ضرورت نہیں، سیدھی سی بات ہے کہ پاکستان مسلم لیگ (ن) اور پی پی پی کو ایک وسیع تر مفاہمت کی ضرورت ہے جس کے تحت دونوں مشترکہ طور پر بحالی جمہوریت کی راہ ہموار کریں اور مستحکم سیاسی نظام کی داغ بیل ڈال سکیں۔

اگر پاکستان پیپلز پارٹی کو عددی اکثریت نہ بھی حاصل ہو تو بھی سب سے بڑی جماعت ہونے کی حیثیت سے اسے مرکز میں حکومت سازی کا اختیار ملنا چاہیے۔ پاکستان مسلم لیگ (ن) کو اس حکومت کی حمایت کرنی چاہیے لیکن اس میں شرکت یا شمولیت سے گریز کرنا چاہیے۔ پی پی پی کو پاکستان مسلم لیگ (ن) کی حمایت پر انحصار کرنا چاہیے، نہ کہ مشکوک اور غیر یقینی قوتوں کی حمایت پر (ہمارے خیال میں ان قوتوں کی نشاندہی کی ضرورت نہیں ہے۔)

پاکستان مسلم لیگ (ن) کو پنجاب میں حکومت تشکیل دینی چاہیے اور اس موقع پر پی پی پی کو اس حکومت کی حمایت بغیر وزارتوں کے مطالبے کے کرنی چاہیے۔ یوں ہمیں مرکز اور سب سے بڑے صوبے پنجاب، ہر دو میں کمان کے اشتراک unity of command کا مظاہرہ دیکھنے کو ملے گا، (اس مشترکہ کمان کی اصطلاح کو یاد رکھیں)۔ پنجاب کی وزارت اعلیٰ کے لئے پاکستان مسلم لیگ (ن) کا فطری انتخاب شہباز شریف ہی ہوں گے، ہمیں اس مرتبہ امید ہے کہ وہ پنجاب بیورو کریسی (جہنم جانے والا صراط مستقیم) پر اعتماد کرنے کی بجائے اپنی پارٹی کی سنیں گے اور اس پر اعتماد کریں گے۔

پی پی پی کو سندھ میں اکثریت حاصل ہے، سو اسے صوبے میں حکومت سازی کر لینی چاہیے۔ اب یہ ان کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ ایم کیو ایم کے زہر آلود پیالے کو منہ سے لگاتے ہیں یا نہیں۔ اگرچہ ہمیں اس میں شبہ ہے کہ یہ اپنی سابقہ ثابت شدہ روایت کی پیروی کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ کے طور پر انتہائی نرم خو اور جی حضوری کرنے والے فرد کا چناؤ کرے گی (جیسا کہ ایک اور عبداللہ شاہ)

فرنٹیئر میں اے این پی کو جو بھی جماعت ملتی ہے، اس کے ساتھ اتحاد کر کے اسے حکومت بنا لینی چاہیے۔ آخر اسفندیار کو بطور چیف منسٹر کیوں نہیں لیا جانا چاہیے؟ ان کی جماعت اے این پی اب تک صرف خالی خولی نعروں اور بلند بانگ دعوؤں تک ہی محدود رہی ہے۔ لیکن اب یہی وقت ہے کہ اے این پی ایڈمنسٹریشن کے کم جوش و جذبے کے حامل مگر اہم کام سے عہدہ برآ ہو سکے۔

قاف لیگ، اگر اس کی کوئی شکل باقی بچ پاتی ہے تو، یہ بلوچستان کی حکومت پر طبع آزمائی کر سکتی ہے۔ (اور اس کی کھچڑی بنا سکتی ہے۔)

کیا یہ سب کچھ بڑا مشکل اور پیچیدہ نظر آتا ہے؟ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ لیکن اس کے لئے شرط صرف اتنی سی ہے کہ زرداری اپنے حواس بحال رکھیں اور ہر امریکی مشورے اور تجویز پر آمنا صدقنا کہیں (امریکیوں کے اپنے ہی عزائم اور ایجنڈے ہیں۔ وہ یہی چاہتے ہیں کہ پاکستان اپنی افغان سرحد پر الجھا رہے۔) اور اس کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ نواز شریف اپنی تعداد بڑھانے کے چکر میں بازار سیاست میں موجود قاف لیگ کے ہر لوٹے کو خوش آمدید کہیں، آخر مقام فغاں ہے کہ ایسا اینٹ روڑے پر مشتمل بان متی کا کنبہ کب تک چل سکے گا۔

ہمیں امن پر مبنی سیاست کی ضرورت ہے نہ کہ تنازعے اور ٹکراؤ پر مبنی سیاست کی۔ یہ امن پر مبنی سیاست ہماری دونوں بڑی سیاسی جماعتیں تبھی حاصل کر سکتی ہیں جب وہ مل کر ایک ہی آہنگ میں کام کریں نہ کہ ان کے مقاصد ایک دوسرے سے ٹکراؤ پر مبنی ہوں۔ جہاں تک مشرف کا تعلق ہے، تو انہیں تو نظر انداز کرنا ہی بہتر ہوگا۔ اگر ان میں اتنا بھی شعور نہیں کہ اپنی واپسی کا راستہ طے کر سکیں تو پھر یہ بات تو طے ہے کہ انہوں نے خود اپنے لئے چین کے پانی پر مبنی ٹارچر کا طریقہ چن لیا ہے۔ اگر انہیں خوار ہونے کا انتہائی شوق ہے، تو ہم کون ہوتے ہیں انہیں روکنے والے؟

آصف زرداری اور نواز شریف کو ایک دوسرے کے بالوں اور گریبانوں میں ہاتھ ڈالے بغیر حکومت سازی کے ضروری معاملات طے کر لینے چاہئیں۔ ایک قومی حکومت (جس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ہی پارٹیاں کابینہ میں وزراء سے لیس ہوں) کا مطلب تباہی و بربادی ہے، کیونکہ اس میں بہت سارے گھوڑے مختلف سمتوں میں دوڑتے نظر آئیں گے اور اب ہمارے ہاں مزید چرچل یا ڈیگال کی ضرورت نہیں کہ وہ صدارت کریں اور معاملات کی نگرانی کریں۔ سو ہمارے خیال میں مرکز میں پاکستان مسلم لیگ (ن) کی حمایت یافتہ پی پی پی حکومت ہی ایک بہترین متبادل صورتحال ہے۔

ایم کیو ایم جو مشرف کی انتہائی قریبی حلیف جماعت ہے، اسے کچھ ذہنی ایڈجسٹمنٹ کے لئے تیار رہنا چاہیے کیونکہ اب ان کے شاہ کی حالت پتلی ہو چلی ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں پارٹی کے قائد اعلیٰ کے لئے یہ کوئی زیادہ مشکل کام یا اچنبھے کی بات نہیں۔ وہ بہرحال طویل فاصلے سے ٹیلی فونک خطاب فرما سکتے ہیں، تو ان کے کچھ بھی بعید نہیں، جناب الطاف حسین ایک لچکدار سیاسی شخصیت کے طور پر ہر جا معروف ہیں۔

لیکن جناب قارئین سوال یہاں یہ اٹھتا ہے کہ اس صورت میں کیا ہوگا، اگر ہمارے امریکی مہربان زرداری کے گلے پڑ جائیں اور ان سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ نواز شریف سے دور دور رہیں؟ پاکستان مسلم لیگ (ن) کو اس کے باوجود بھی انتہائی تحمل و بردباری سے اپنا کردار ادا کرتے رہنا چاہیے۔ اسے پنجاب میں صوبائی حکومت تشکیل دے کر مرکز میں عوامی خواہشات کی ترجمانی کرنی چاہیے۔ یوں قومی سیاست میں جارحیت اور دشمنی کے بغیر قانون کی پاسداری اور جج صاحبان کی بحالی کا علمبردار ہونے کا اعزاز بلاشبہ پاکستان مسلم لیگ (ن) کے ہی حصے میں آئے گا۔

اس موقع پر ہمیں جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، وہ 1990ء کی دہائی میں وقوع پذیر ہونے والی افراتفری اور بدنظمی سے خود کو بچانا ہے۔ دونوں پارٹیوں کو سنجیدگی کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ذمہ داری کا زیادہ بوجھ پی پی پی کے کاندھوں پر ہے کیونکہ امریکیوں کی زیادہ توجہ پی پی پی کو ہی ہانکنے پر لگی ہوگی۔

ہمیں خود اپنے لئے سوچنے کی ضرورت ہے۔ امریکی خود بھی مسائل کا شکار ہیں اور پاکستان کے حوالے سے ان کا عظیم ایجنڈہ بھی یہی ہے کہ پاکستان ان کے مسائل کا حصہ رہے، اور یہی ان کے خیال میں ”دہشت گردی کے خلاف جنگ“ کی بہترین صورت ہے۔ پاکستانی سیاسی قیادت کی اہلیت کی آزمائش کا وقت ہے۔ اگلے چند روز میں اس کا فیصلہ ہو جائے گا کہ آیا ہماری سیاسی قیادت اپنے سابقہ تجربوں اور غلطیوں سے کچھ سیکھ پائی ہے یا نہیں، یا پھر ہم بحیثیت قوم اپنی غلطیوں اور بیوقوفیوں کے اعادے پر ہی ڈٹے رہتے ہیں۔ (بشکریہ روزنامہ ”جنگ“)

تنظیم اسلامی کا پیغام نظام خلافت کا قیام

سیالکوٹ چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری میں ایک فکری نشست

31 جنوری 2008ء کو "سیالکوٹ چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری" سے ڈاکٹر عبدالسمیع کے خطاب کا پروگرام رکھا گیا۔ یہ پروگرام بعد نماز مغرب شروع ہوا۔ موضوع تھا "سیکولرازم اور اسلام"۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سیکولرازم سے اسلام کو کوئی خطرہ نہیں، کیونکہ یہ اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ انسان جس مذہب کی چاہے پیروی کرے، وہ سخت فکری مغالطے میں مبتلا ہیں۔ سیکولرازم یہ کہتا ہے کہ نظام تعلیم اور قوانین کی بنیاد مذہب کی بجائے سائنس اور حقائق پر ہونی چاہیے۔ اور حقائق سے مراد اہل مغرب کے ہاں وہ چیزیں ہیں جو حواس خمسہ سے محسوس کی جا سکیں۔ اور جس چیز کو verify نہ کیا جا سکے (یعنی غیب کی چیز) وہ unreal یعنی غیر حقیقی ہے۔ اس کے مقابلے میں اسلام کی بنیاد ہی ایمان بالغیب پر ہے۔

انہوں نے کہا کہ اسلام دین ہے اور اپنا نفاذ چاہتا ہے۔ اسی حوالے سے ہی سیکولرازم اور اسلام آمنے سامنے آ جاتے ہیں۔ سیکولرازم سے لوگ آزادی مراد لیتے ہیں، مگر ذرا یہ بتایئے کہ آزادی کس چیز سے ہے؟ سیکولر معاشرے میں تو لوگ قانون کے پابند ہیں، ٹریفک کے اشاروں کی پابندی بھی کرتے ہیں، اپنی کاؤنٹی کے قانون کی بھی پابندی کرتے ہیں تو پھر آخر آزادی کس چیز سے ہے؟ کیا اس آزادی کا مطلب صرف اللہ کی غلامی سے آزادی ہے؟ اسلام کہتا ہے کہ جب تم اللہ کو رب اور محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مان لو، تو پھر ان کا حکم بھی ماننا ہوگا۔

یہ پروگرام رات آٹھ بجے اختتام پذیر ہوا۔ الحمد للہ یہ پروگرام کافی کامیاب رہا۔ شرکاء کی حاضری توقع سے بڑھ کر تھی۔ نہ صرف یہ کہ چیمبر کا ہال حاضرین سے بھرا ہوا تھا، بلکہ کچھ لوگ کھڑے ہو کر بھی خطاب سنتے رہے۔ پروگرام کی خاص بات یہ ہے کہ اس کی تشہیر نہیں کی گئی بلکہ تمام احباب رفقاء کی ذاتی دعوت سے تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس سعی کو قبول فرمائے۔ آمین!

(رپورٹ: اعجاز عنصر)

تنظیم اسلامی بہاولنگر کے زیر اہتمام شب بیداری پروگرام

9 فروری 2008ء کو جامع القرآن، قرآن اکیڈمی بہاولنگر میں شب بیداری کا پروگرام منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز بعد نماز مغرب تلاوت کلام پاک سے ہوا، جس کی سعادت حافظ ندیم منظور نے حاصل کی۔ بعد ازاں جناب محمود اسلم نے درس حدیث دیا۔ ساڑھے سات بجے نماز عشاء ادا کی گئی۔ نماز کے بعد جناب رضوان عزمی نے درس قرآن دیا، جس میں انہوں نے "بندگی رب" پر روشنی ڈالی۔ درس قرآن کے بعد رفقاء کو کھانا دیا گیا۔

کھانے کے بعد راقم الحروف نے سیرت صحابہؓ کے حوالے سے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی سیرت پر گفتگو کی۔ بعد ازاں رضوان عزمی نے نقباء کی ذمہ داریوں کی وضاحت کی۔ رات گیارہ بجے نیند اور آرام کا وقفہ ہوا۔ اگلی صبح چار بجے رفقاء کو اٹھا گیا۔ انفرادی عبادات، نوافل اور تلاوت قرآن کے بعد فجر کی نماز ادا کی گئی۔ بعد از نماز فجر رضوان عزمی نے درس قرآن دیا۔ دعا کے ساتھ یہ پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔ (رپورٹ: ابرار اشرف)

تنظیم اسلامی گڑھی شاہو لاہور کے زیر اہتمام تربیتی پروگرام

تنظیم اسلامی گڑھی شاہو لاہور کے زیر اہتمام 17 فروری بروز اتوار گڑھی شاہو میں تربیتی پروگرام ہوا۔ پروگرام کا آغاز دس بجے محترم ڈاکٹر عبدالخالق کے درس قرآن سے ہوا۔ انہوں نے سورہ الصف کی روشنی میں نبی اکرم ﷺ کے مقصد بعثت پر تفصیلی گفتگو کی۔ اس کے بعد جناب عاطف عماد نے "ریاکاری" پر مذاکرہ کرایا۔ ڈاکٹر محمد ابراہیم نے اپنے مخصوص انداز میں جہاد فی سبیل اللہ کو واضح کیا۔ چائے کے وقفے کے بعد ڈاکٹر عبدالخالق نے اقامت دین کی جدوجہد کرنے والوں کے اوصاف کے حوالے سے گفتگو کی۔ بعد ازاں اسرہ خباب بن الارتؓ کے رفقاء نے اپنی ذاتی دعوتی سرگرمیوں کا ذکر کیا۔ مقامی امیر تنظیم نے رفقاء کے سوالوں کے جوابات دیے اور رفقاء کے مطلوبہ اوصاف کا مذاکرہ کرایا۔ نماز ظہر کی ادائیگی کے ساتھ اس پروگرام کا اختتام ہوا۔ پروگرام میں 30 رفقاء اور 6 احباب نے شرکت کی۔ اللہ ہماری اس کوشش کو قبول کرے اور آخرت میں ہماری نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین (رپورٹ: خباب عبدالخالق)

حلقہ سندھ زیریں کے ناظم دعوت کا دورہ اولڈ سٹی کراچی

پیر 11 فروری 2008ء حلقہ سندھ زیریں کے ناظم دعوت جناب عامر خان نے دفتر تنظیم اسلامی اولڈ سٹی کراچی واقع آرام باغ میں مذکورہ تنظیم کے ذمہ داران سے خصوصی ملاقات کی۔ ناظم دعوت نے بتایا کہ وہ دعوتی تحریک کی پیش رفت کے حوالے سے حلقہ کے تحت مقامی تنظیم کا دورہ کر رہے ہیں۔ گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے عامر خان صاحب نے سورۂ یوسف کی آیت 108 کا حوالہ دیا اور فرمایا کہ امت محمدیہ کے فرد ہونے کے حوالے سے دین کی دعوت لوگوں تک پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے۔ اور آج ہم ایک مذاکرہ کی شکل میں دعوتی تحریک کی سرگرمیوں کا جائزہ چھ باتوں کے حوالے سے لینے کی کوشش کریں گے۔ وہ چھ باتیں مندرجہ ذیل ہیں:

1- اُسرہ کی سطح پر حلقہ قرآنی کی کیفیت 2- دورۂ ترجمہ قرآن کے شرکاء سے رابطہ کی کیفیت
3- دعوتی لٹریچر کی ترسیل و استعمال 4- "ایک رفیق چار احباب" کا جائزہ
5- ناظم دعوت و امیر کی نقباء سے ملاقاتوں کی کیفیت 6- اجتماع اسرہ میں اسرہ کی سطح پر دعوت کا جائزہ

ناظم دعوت نے اِن نکات کے حوالے سے مذاکرہ کرایا اور اسی حوالے سے ذمہ داران کو پیش آنے والی مشکلات‘ ان کے حل اور دیگر تجاویز کا بھی جائزہ لیا۔ ذمہ داران نے ناظم دعوت کے دورہ کو مفید پایا اور اپنی کمی اور کوتاہیوں کو دور کرنے کی بھی یقین دہانیاں کرائیں۔ آخر میں امیر تنظیم اسلامی اولڈ سٹی شجاع الدین شیخ نے ناظم دعوت کے دورہ کو سراہا اور اپنی کوششوں کو مزید تیز کرنے کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ رات کے کھانے پر اس ملاقات کا اختتام ہوا۔ ملاقات میں پانچوں اُسروں کے نقباء، معتمد و امیر مقامی تنظیم شامل رہے۔ (رپورٹ: محمد رضوان)

اطلاع

مدیر مکتبہ خدام القرآن جناب نعیم الدین احمد نے، جو طویل عرصہ تک ادارہ سے وابستہ رہے، ذاتی وجوہ کی بنا پر اپنی ملازمت سے استعفاء دے دیا ہے۔ اُن کی جگہ جناب احسن الزمان صدیقی کا تقرر کیا گیا ہے۔ قارئین رسائل و جرائد، کتب اور مکتبہ کے دیگر معاملات کے سلسلے میں آئندہ صدیقی صاحب سے خط و کتابت کریں۔ (ادارہ)

حدیث کا جائزہ لیں

رسول اللہ ﷺ نے حدیث لکھنے سے منع کیا تھا یا اجازت دی تھی؟ صحابہ کرامؓ کے پاس حدیث کے تحریری مجموعے تھے یا نہیں؟ امام بخاریؒ سے پہلے اڑھائی سو سال تک احادیث کی حفاظت پر ہونے والے کام کا تاریخی جائزہ لیں۔ 124 صفحات کی کتاب 50 روپے کا منی آرڈر یا ڈاک ٹکٹ بھیج کر منگوا لیں۔ بلا معاوضہ مطالعہ کے خواہشمند اصحاب اپنا ڈاک کا پتہ بھیج کر یہ کتاب بلا تکلف طلب کر سکتے ہیں۔

البلاغ فاؤنڈیشن:
اسلامی خط و کتابت کورسز کا ادارہ
A-43، شاد روڈ، لارک پنٹ فون: 0333-4620717
E-mail:albilaghfoundation@yahoo.com
www.aasanasbaq.com

ڈنمارک کا ایک بیدار مغز نوجوان

پچھلے دنوں ڈنمارک کے سترہ اخبارات نے گستاخانہ خاکے دوبارہ شائع کر کے عالم اسلام میں غم و غصے کی نئی لہر دوڑا دی۔ یہ اشاعت دراصل اس واقعے کے بعد انجام پائی جب پولیس نے ان دو تیونسی اور ایک مراکشی نژاد ڈنمارکی مسلمان کو گرفتار کر لیا جب وہ خاکے بنانے والے گستاخ و معلون کو جہنم رسید کرنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ اس پر سترہ ڈنمارکی اخبارات نے یہ دکھانے کے لیے دوبارہ خاکے شائع کر دیئے کہ "ہمارے ہاں آزادی رائے ایک بنیادی حق کی حیثیت رکھتی ہے۔"

اب عالم اسلام کے علاوہ خود ڈنمارک سے بھی ایسی "آزادی رائے" کے خلاف آواز بلند ہونے لگی ہیں۔ ان میں نوجوان فلم میکر آندرلیس بوٹز بھی شامل ہے۔ اس نے مشہور معاشرتی ویب سائٹ فیس بک پر ایک گوشہ Undskyld Muhammad (یعنی حضور اکرم ﷺ سے معذرت) کے نام سے شروع کیا ہے تاکہ ڈنمارک میں دیگر مذاہب کے لیے عزت و احترام کے جذبات پیدا کیے جا سکیں۔ اس کا کہنا ہے: "اس فیس بک گروپ کے ذریعے میں دنیا کے تمام مسلمانوں سے معافی کا خواستگار ہوں جن کے جذبات خاکوں نے شدید طور پر مجروح کیے ہیں۔ میں آزادی رائے کا سو فیصد حامی ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے مذاہب کا مذاق اڑا کر ان کے پیروکاروں کے جذبات مجروح کیے جائیں۔"

27 سالہ بوٹز سیکولر اور ڈیموکریٹک ڈنمارک میں آزادی رائے کی "حدود" کے سلسلے میں مثبت بحث و مباحثہ شروع کرنا چاہتا ہے۔ اسی لیے اس نے ویب سائٹ پر خصوصی گوشہ شروع کیا ہے۔ وہ کہتا ہے "میرے خیال میں اخبارات نے خاکے دوبارہ شائع کر کے نہایت غلط قدم اٹھایا۔ اس سے مجھے بہت تکلیف پہنچی۔ مجھے یقین تھا کہ 2005ء کے واقعات سے سبق لے کر مدیران دوبارہ ایسا اشتعال انگیز اقدام نہیں کریں گے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ویب سائٹ کے خصوصی گوشے میں اپنے پیغامات کے ذریعے بیسیوں ڈنمارکیوں نے آندرلیس بوٹز کے نقطۂ نظر کی حمایت کی ہے۔ بوٹز کے مطابق اس حقیقت سے دنیا بھر کے مسلمان جان سکتے ہیں کہ ڈنمارک میں تمام باشندے خاکے چھاپنے کی حمایت نہیں کرتے۔ اسی طرح ڈنمارکیوں کو بھی اس بات کا پتا چلے گا کہ تمام مسلمان انتہا پسند نہیں بلکہ وہ امن و امان کے داعی ہیں۔

شہزادی ڈیانا مسلمان ہونا چاہتی تھی

آج کل برطانیہ میں شہزادی ڈیانا کیس کے سلسلے میں عدالتی تحقیقات جاری ہیں۔ پچھلے دنوں شہزادی ڈیانا کے ساتھ مرنے والے، دودی الفائد کے والد محمد الفائد نے عدالت میں یہ بیان دے کر سنسنی پھیلا دی کہ ڈیانا کو شاہی خاندان خصوصاً شہزادہ چارلس اور ملکہ الزبتھ کے شوہر شہزادہ فلپ کے احکامات پر قتل کرایا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ڈیانا مسلمان ہو کر دودی الفائد سے شادی کرنے کا اعلان کرنے والی تھی۔ بس "بدنامی" کے ڈر سے برطانوی شاہی خاندان نے شہزادی ڈیانا کو مروا دیا۔

اوباما کی حمایت

امریکا میں آباد مسلمانوں کی اکثریت صدارتی امیدوار، باراک اوباما کے حق میں نظر آتی ہے جس کا سوتیلا باپ انڈونیشی مسلمان تھا۔ اسی لیے وہ سات برس جکارتہ بھی رہا اور اس کا بچپن وہیں بسر ہوا۔ اوباما نے خاصی ریاستوں میں کامیابی حاصل کر لی ہے اور اس کے جیت کے امکانات بڑھتے جا رہے ہیں۔ تاہم امریکی مسلمانوں کو یہ بھی احساس ہے کہ اوباما کے صدر بننے سے امریکا کی پالیسیوں میں کوئی انقلابی تبدیلیاں نہیں آئیں گی۔

مسلم ممالک ہمیں تسلیم کریں

یورپ کے قلب میں بننے والے نوآزاد اسلامی ملک کوسووکے امام اعظم صابری بجگورا نے تمام اسلامی ممالک سے اپیل کی ہے کہ وہ جلد اس نئی مملکت کو تسلیم کر لیں۔ نیز انہوں نے ان سے امداد کی بھی درخواست کی ہے، تاکہ وہ اپنے پڑوسی اور کٹر دشمن سربیا کی سازشوں اور چالوں کا سامنا کر سکے۔

یاد رہے، کوسوو کا شمار یورپ کے غریب ترین ممالک میں ہوتا ہے۔ ملک کی آدھی آبادی غربت کی لکیر سے نیچے زندگی بسر کر رہی ہے یعنی اس کی روزانہ آمدن 1.5 یورو سے کم ہے۔ ہر سال 30 ہزار نوجوان ملازمتوں کی تلاش میں پھرنے لگتے ہیں لیکن ملک میں اتنی زیادہ ملازمتیں جنم نہیں لیتیں۔ پھر سربیائی حکومت نے دانستہ کوسوو کا اقتصادی ڈھانچہ کمزور رکھا تاکہ وہ پیروں پر کھڑا نہ ہو جائے۔ تمام مشکلات اور مسائل کے باوجود لیر کوسووین باشندوں کے اعلان آزادی نے خصوصاً ان مسلمانوں کو نئے جوش و ولولے سے بھر دیا ہے جو غاصبوں کے خلاف جدوجہد اور جہاد کرنے میں مصروف ہیں۔ جن میں کشمیری مسلمان بھی شامل ہیں۔ بھارتی حکومت نے اب تک کوسوو کو تسلیم نہیں کیا، کیونکہ اُسے خطرہ ہے کہ کشمیر کے مسلمان بھی ایسا ہی اعلان آزادی کر سکتے ہیں۔ اُدھر کشمیری رہنماؤں نے امریکا اور یورپی یونین پر زور دیا ہے کہ کشمیر کے سلسلے میں کوسوو جیسا کردار ادا کریں اور اُسے بھارتیوں کے غاصبانہ قبضے سے آزاد کرائیں۔

بوسنیائی سرب پارلیمنٹ کی قرار داد

کوسوو کی آزادی کے بعد بوسنیائی سرب پارلیمنٹ میں یہ قرارداد منظور ہو گئی ہے کہ اگر یہ نوآزاد مملکت اقوام متحدہ کا حصہ بن گئی تو بوسنیائی سرب بھی اپنی آزادی کا اعلان کر دیں گے۔ یاد رہے، 1995ء میں ڈائٹسن معاہدے کے ذریعے بوسنیا ہرزوگوینا کو بوسنیائی مسلم اور بوسنیائی سرب حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ یہ دونوں حصے ایک کمزور وفاقی آئین کے ذریعے منسلک ہیں مگر ان کی اپنی اپنی حکومت، پارلیمنٹ اور پولیس ہے۔ تاہم کوسوو کی طرح یہ مملکت بھی بنیادی طور پر یورپی یونین اور امریکا کی معاشی اور جنگی مدد سے چل رہی ہے۔ امریکا اور یورپی یونین نے بوسنیائی سرب پارلیمنٹ کی قرارداد کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بوسنیائی سرب علیحدہ ہو کر اپنی بقا برقرار نہیں رکھ سکتے۔

بقیہ: سیاست دوران

صرف کھلے دل سے اعتراف کریں بلکہ ان کے ازالہ کی خاطر اقدامات کا وعدہ بھی کریں۔

(2) موجودہ انتخابی سیاست سے دستبردار ہونے کا اعلان کریں، کیونکہ اس سیاست نے ان کی عوامی ساکھ کو نقصان ہی پہنچایا ہے۔

(3) نئی منتخب حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ 1973ء کے آئین میں نفاذ اسلام کی خاطر کئے گئے وعدوں کو پورا کرنے کے لئے اقدامات اٹھائے جائیں۔

(4) حکومت بنانے والی جماعتوں کو ابھی سے خبردار کر دیا جائے کہ ملک کے آئین کی اسلامی دفعات کو تبدیل کرنے کی ہر کوشش کی بھرپور مزاحمت کی جائے گی۔

(5) دینی جماعتیں ملک کو سیکولر بنانے کے مغربی عزائم، سیکولرازم کی حقیقت اور اس کی خباثتوں سے قوم کو آگاہ کرنے کے لئے ایک بھرپور مہم کا آغاز کریں تاکہ ملک کو سیکولرازم کی راہ پر چلانے کے گھناؤنے عزائم رکھنے والی قوتیں کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے سو بار سوچنے پر مجبور ہو جائیں۔

اس کے باوجود اگر برسر اقتدار طبقے نے سیکولرازم کے راستے پر ہی چلنے کا فیصلہ کر لیا تو اس کے خلاف ایک موثر تحریک برپا کرنا ممکن ہوگا اور یقیناً دینی عناصر اس میں ہراول دستہ کا کام دیں گے۔

جرائد 2007ء CD

ماہنامہ **میثاق**، ماہنامہ **حکمت قرآن** اور ہفت روزہ **ندائے خلافت**

کے سال 2007ء کے تمام شمارے ایک ''سی ڈی'' میں دستیاب ہیں

قیمت: 30 روپے (علاوہ ڈاک خرچ☆)

تنظیم اسلامی کے حلقہ جات، مقامی دفاتر اور انجمن ہائے خدام القرآن اپنے آرڈر سے مطلع فرمائیں۔

☆ (i) بذریعہ وی پی پی / منی آرڈر منگوانے والے اصحاب کو یہ سی ڈی -/110 روپے میں ملے گی۔ منی آرڈر / وی پی پی فیس -/50 روپے + ڈاک خرچ -/30 روپے + سی ڈی کی قیمت -/30 روپے ٹوٹل -/110 روپے۔

(ii) اس لیے بہتر یہی ہے کہ آپ -/60 روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر یہ سی ڈی طلب فرمائیں یا پھر اپنے قریبی تنظیمی سیل آفس سے حاصل کریں۔

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 3-5869501

email:maktaba@tanzeem.org

ضرورت رشتہ

☆ جٹ فیملی کو اپنی بیٹی، خوبصورت، خوب سیرت، عمر 24 سال، تعلیم M.Sc (Math) کے لئے دینی مزاج کے حامل لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0334-9936955

بقیہ: **اداریہ**

پھر مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان میں قرآن پڑھتے اور حدیث رسولؐ کا دورہ کرتے مسلمانوں کو جن میں کثیر تعداد معصوم بچوں اور بچیوں کی تھی، خون کے لوتھڑوں میں تبدیل کر دیا گیا اور امریکہ کو یہ پیغام دیا گیا کہ میں آپ کا واحد اتحادی ہوں جو پاکستان میں اسلامی شدت پسندوں کا راستہ روک سکتا ہے۔ اندرون ملک عدلیہ ایسے فیصلے کرتے دکھائی دیتی تھی جو اقتدار کے لیے چیلنج بن سکتے تھے، لہٰذا عدلیہ کو بڑی رعونت کے ساتھ کچل دینے کی کوشش کی گئی لیکن کالے کوٹ والے جان کا وبال بن گئے۔ اس پس منظر میں 18 فروری 2008ء کو انتخابات ہوئے جس کے نتائج سامنے آچکے ہیں۔ انتخابات کے نتیجہ میں صرف حکومت تبدیل ہوگی یا عوام کی قسمت بھی بدل جائے گی۔ ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں اس پر بات ہوگی۔